پروفیسر محمد الیاس برنیؒ مرحوم

عبدالحلیم چشتی

ABSTRACT:

Professor Muhammad Ilyas Barni was a man of diverse disciplines and a believer and practitioner of Islam. He wrote vigorously about theology, Prophet Muhammad (SAWW), Mysticism as well as Economics and Urdu Literature. His work is worth noting but literary circles know a little about him. This article introduces his works and also maps his life sketch. This will help the readers to get an introduction of a forgotten scholar.

Key Words: Muhammad Ilyas Barni, Theology, Urdu Poem, Economics,

پروفیسر محمد الیاس برنیؒ بہت محنتی، حوصلہ مند، ذہین و زیرک انسان تھے۔ انھوں نے جس میدان میں قدم رکھا اسے سر کر کے چھوڑا۔ انھوں نے معاشیات پڑھی اور تمام عمر پڑھایا۔ جو لکھا اربابِ فن نے اس کی داد دی، اردو ادب کی خدمت کی، اسلام پر بھی لکھا۔ جو لکھا بار بار چھپا اور ہاتھوں ہاتھ نکلا۔ ان کا اصل میدان روحانیات اور تصوف تھا۔ دین سے ان کا رشتہ پختہ تھا، فاروقی ہونے کے ناتے ان کی اسلامی غیرت، اخلاص اور دردمندی، للّٰہیت و خلوص، ہر شعبۂ زندگی میں نمایاں و تاباں ہے۔حق تعالیٰ شانہٗ نے متحدہ ہندوستان میں قادیانیت کے سلسلہ میں ان سے جو کام لیا وہ اپنی نظیر آپ ہے۔

الیاس برنیؒ نے قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ میں اپنی طرف سے بہت کم لکھا ہے۔ میرے بھائی محقق عصر مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ کے بقول: برنیؒ نے قادیانی مذہب میں قادیانی کی تضاد بیانیوں کو یکجا کر کے ہر شخص کی نظر میں اسے پکا جھوٹا نبی ثابت کر دکھایا ہے جس کا جواب کسی کے پاس نہیں۔

یہ اللہ کی توفیق ہے اور ان کی ماں کی دعا کا ثمرہ ہے کہ ایسا عظیم کام ان سے لیا اور انھیں رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس گروہ میں بلند مقام عطا کیا جس نے ارتداد کے خلاف جان کی بازی لگائی اور وہ شہرت انھیں نصیب

فرمائی جو انھیں کسی تصنیف پر حاصل نہ ہوسکی۔ اس دنیا میں انسان کی اس سے بڑھ کر بھلا اور کیا سعادت ہوسکتی ہے کہ اسے اس جماعت میں شرکت نصیب ہو جائے جس کی سربراہی امت میں افضلِ بشر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے۔

محمد الیاس برنیؒ نے اپنی اور اپنے دوستوں کی سرگزشت صراط الحمید جلد اول و دوم اور برنی نامہ میں جس انوکھے اور دلچسپ انداز میں پیش کی ہے وہ سبق آموز اور بہت دلچسپ ہے۔ اردو زبان میں ان کی علمی اور ادبی خدمات گوناگوں ہیں۔ ان کی مطبوعہ تصنیفات و تالیفات اور تراجم کی تعداد چالیس (۴۰) سے زیادہ ہے، بعض تصنیفات اپنی جواب آپ ہیں۔ پاکستان میں کراچی اور لاہور کے مشہور کتب خانے ـــــ کراچی یونیورسٹی لائبریری میں ان کی دو چار کتابوں سے زیادہ موجود نہیں ہیں، انجمن ترقی اردو میں دس پندرہ کتابیں مل جاتی ہیں۔ اردو ادب کے شائقین اور محققین کے ذاتی کتب خانوں میں ممکن ہیں ان کی کچھ زیادہ کتابیں محفوظ ہوں لیکن ان تک رسائی اور تعاون دونوں آسان کام نہیں، بہرحال جہاں سے جو مل سکا فائدہ اٹھایا اور یہ مختصر مقالہ ترتیب دیا ہے۔ میرے علم میں نہیں کہ کسی محقق نے ہندوستان اور پاکستان کی جامعات میں برنیؒ کو پی ایچ۔ڈی کے لیے موضوع بنایا ہو، برنیؒ پر کئی حیثیت سے ڈاکٹریٹ کی جاسکتی ہے۔

ایسی شخصیت اور اس کے علمی و تحقیقی اور ادبی کارناموں سے ہمیں واقف رہنا چاہیے۔ انھی وجوہ سے کہ ان کی زندگی کے گوناگوں پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے، پڑھنے اور عبرت پکڑنے کو اس نے اپنی جدوجہد سے مقام حاصل کیا۔

محمد الیاس نام، سلاح الدین لقب اور برنیؒ[۱] تخلص تھا۔ باپ کا نام محمد ابراہیم تھا۔ موصوف کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ اور اس نسب سے کبھی فاروقیؔ کہتے ہیں، مولوی نہ تھے لیکن مولوی عبدالحق کی طرح مولوی محمد الیاس بھی کتاب پر لکھا جاتا تھا۔

۲۸ر شعبان ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۹راپریل ۱۸۹۰ء یوم شنبہ بوقت ۹ بجے شب اپنے ننھیال خورجہ میں پیدا ہوئے۔[۲] ابتدائی تعلیم و تربیت گھر میں پائی۔ چنانچہ برنیؒ کا بیان ہے:

> ''قرآن شریف گھر میں پڑھا، فارسی و حساب، انگریزی وغیرہ والد صاحب سے اس وقت پڑھی تھی جب وہ چند سال کے واسطے حیدرآباد سے تشریف لاکر مکان پر مقیم رہے تھے۔ اس وقت فارسی پر توجہ زیادہ رہی عربی کو اتنا موقع نہ مل سکا جتنا ملنا چاہیے تھا۔ تاہم قرآنِ کریم کی برکت سے عربی سے خاصا ربط ہوگیا۔[۳]
>
> باپ حیدرآباد میں وکیل تھے اس لیے تعطیلات میں کبھی بلندشہر آتے۔ اس لیے ''برنیؒ'' کی تربیت ماں کی آغوش میں ہوئی۔[۴]

ان کی ماں بہت دولت مند باپ کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ دولت و جائیداد، سب کی تنہا وارث تھیں۔ اللہ کا دیا گھر میں سب کچھ تھا۔ لیکن ان کی طبیعت کا رنگ ڈھنگ ہی کچھ اور تھا۔ باوجود کپڑے اچھے سے اچھے موجود تھے لیکن کبھی

سادہ لباس پہنتی تھیں اور موٹا جھوٹا بھی کھاتی تھیں۔ اور بچوں کو بھی اسی طرح رکھتی تھیں۔ دکھ درد میں غریبوں کے کام آتیں دامے، درمے، سخنے، قدمے ان کی مدد کرتی تھیں۔ اچھا کھانا دوسروں کو کھلاتیں، خود جو کی روٹی اور چٹنی پر گزارا کرتی تھیں۔ چکی پیسنے سے انھیں عار نہ تھا۔ بیٹیوں کو چکی پیسنے کی نصیحت کرتی تھیں۔ چاہتی تھیں کہ بچے عیش پسند نہ بنیں۔ کھاتے وقت غریبوں کا خیال آتا تو آب دیدہ ہو جاتی تھیں۔ بہت نرم دل و مسکین طبع تھیں۔ بچوں کی غلطی پر سزا یہ تھی کہ انھیں اپنے ساتھ نہیں کھلاتی تھیں۔ پاس نہیں بٹھاتی تھیں۔ عزیزوں میں ساتھ نہیں لے جاتی تھیں۔ یہ ایسی سزا تھی کہ وہ روتے آ جاتے تھے بے جا ڈانٹ ڈپٹ کو اچھا نہیں سمجھتی تھیں۔ کہتی تھیں اس سے بچوں کی غیرت نکل جاتی ہے، نماز، روزے کی پابند تھیں۔ نقشبندیہ سلسلہ میں بیعت تھیں۔ [۵]

برنیؒ میٹرک تک ماں کی زیرِ تربیت رہے ہیں۔ برنی فرماتے ہیں: گھر میں ابتدائی تعلیم: فی الجملہ لڑکپن میں بھی تربیت ذاتی طور پر والدہ صاحبہؒ کے زیر اثر رہی حتیٰ کہ میٹرک پاس کیے تک ہم ان کی خدمت میں حاضر رہے۔"[۶] برنیؒ کے باپ حافظ ابراہیم حیدر آباد دکن میں وکیل تھے۔ وہ چند سال کے لیے چھٹی میں بلند شہر رہے۔ اپنے لڑکوں کو پڑھاتے حافظ محمد اسماعیل اور محمد اسحاق کی وکالت کے امتحانات کی تیاری کراتے تھے۔ برنیؒ نے قرآن، فارسی، حساب، انگریزی وغیرہ گھر پر انھی سے پڑھی پھر کسی جماعت میں خورجہ کے ہائی اسکول میں جو سیٹھ لالہ مٹھی مل نے قائم کیا تھا داخل کیے گئے۔[۷] برنیؒ کا بیان ہے: "ابھی میٹرک سال اول میں تھے کہ انسپکٹر سید مہدی حسین بلگرامی تشریف لائے۔ نویں جماعت کی انگریزی کا امتحان لیا، ہماری باری آئی تو ہم بڑھ چڑھ کر بولے۔ ہماری جسارت پر وہ چونکے۔ میٹرک کا طالب علم انگریزی لٹریچر میں دم مارتا ہے۔ اللہ کے فضل سے بات رہ گئی۔ انسپکٹر صاحب نے رپورٹ اچھی لکھی اسکول کا نام روشن ہوا۔"[۸]

خانگی تربیت کے سوا خدا کا فضل تھا کہ شروع سے انھیں اچھی صحبتیں ملیں جن سے ان کا دینی مزاج بن گیا۔

میٹرک میں امتیازی کامیابی: خورجہ ہائی اسکول سے ۱۹۰۸ء میں میٹرک کا امتحان اول درجہ میں پاس کیا اور سرکار سے انعامی وظیفہ ملا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے انعامی وظیفوں کا سلسلہ ایم۔اے تک برابر قائم رہا۔

۱۸۹۰ء سے نہایت ۱۹۰۸ء تک زندگی کا پہلا دور خورجہ و بلند شہر میں گزرا۔[۹]

علی گڑھ کالج میں داخلہ: ۱۹۰۸ء میں علی گڑھ کالج میں داخلہ لیا یہاں کا ماحول ہی کچھ اور تھا۔ برنیؒ لکھتے ہیں:

> "جب ہم علی گڑھ پہنچے تو لڑکوں نے ہماری وضع قطع خیالات و اعتقادات سے اندازہ لگایا کہ ایک مذہبی دیوانہ آ گیا، خوب لطف رہے گا۔ اللہ کا فضل اس نے عزت وقار کے ساتھ ہوشیاروں کے ساتھ بسر کرا دی۔ طالب علمی کے دائرہ میں، انعام، تمغہ اعزازی عہدے سب کچھ دلائے .....کالج یونین کی صدارت عطا کی، میسور مشرقی بنگال پہنچے۔"[۱۰]

جنگ طرابلس کے لیے چندہ: جنگ طرابلس و بلقان کے موقع پر اپنی ضروریات مختصر کیں اور چندہ کر کے پچاس ہزار کی امداد ترکی پہنچائی الزام لگایا گیا، نگرانی رہی حساب میں ایک پائی کا فرق نہ آیا۔[۱۱]

بی اے میں کامیابی کا ثمرہ: ۱۹۱۲ء میں "بی اے" میں برنیؒ کی کامیابی سب سے اعلیٰ رہی جس کی پوزیشن

صوبہ میں ایسی ہوتی تھی ڈپٹی کلکٹری اس کے قدم چوما کرتی تھی۔ چنانچہ بلا درخواست ایسے طالب علم کا ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر تقرر کیا جاتا تھا۔انھیں بھی اس کا مستحق قرار دیا گیا۔[۱۲]

علی گڑھ میں استادوں کی توجہ اور شفقت:علی گڑھ میں بزرگ خدا رسیدہ استاد ملے ان سے ان کا تعلق دائم رہا۔ یہ ان کی توجہات کا مرکز بنے رہے، ان میں مولانا خلیل احمدؒ تھے۔ برنیؒ موصوف کے متعلق لکھتے ہیں۔

> حضرت کی صحبت میں اسلام کی رفعت کا کچھ اندازہ ہوتا تھا۔ یوں تو طلبہ کے ساتھ اخلاق عام تھا لیکن ہم پر عنایت ومحبت اس درجہ بڑھی کہ ملے بغیر چین نہیں، گفتگو کی وہ نوبت کہ تخلیہ لابد۔ کالج میں پروفیسر بنے رہے، دینیات اور عربی ادب پڑھاتے رہے، اپنا کام بھی کرتے رہے مگر کالج کا رنگ کچھ سے کچھ ہو گیا۔[۱۳]

برنیؒ نے ''بی اے'' پر بس نہیں کیا نہ ڈپٹی کلکٹری کی طرف دیکھا، شملہ سے پرنسپل مسٹر ٹول جو، ان کے استاد بھی تھے،طبیعت کو جانتے تھے ان کا خط آیا،''مجھے کسی صورت پر اصرار نہیں، چاہو ملازمت کرو چاہو تعلیم جاری رکھو''، استاد کا اشارہ ظاہر تھا کہ تعلیم بہتر ہے برنیؒ کی خواہش بھی یہی تھی۔مگر والدین کی رضامندی درکار تھی۔ وہاں حوصلہ کی کمی نہ تھی انھوں نے بھی اجازت دے دی۔ برنیؒ کی ملازمت نہ کرنے کے عذر کی خبر جب میگزین میں چھپی تو اقرا واحباب نے شور مچایا یہ کفرانِ نعمت ہے کوتاہ اندیشی اور غرور ہے''لیکن ہم خوش، والدین خوش تو اللہ خوش''[۱۴]

''ایم اے'' معاشیات میں داخلہ:''ایم اے'' معاشیات میں داخلہ لیا اور ساتھ ''ایل ایل بی'' کرتے رہے۔

سوسائٹی کی عمارت میں قیام: اب کالج کا بورڈنگ چھوڑ کر وہ سوسائٹی کی عمارت میں آ گئے یہ گویا گریجوایشنوں کا بورڈنگ تھا۔ یہاں قریب ہی بنگلہ میں عبداللہ نام کے ایک بزرگ رہتے تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی، ملاپ بڑھا۔ برنیؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں یہ سن رسیدہ بزرگ، مردانہ حسن کا نمونہ تھے ان کا تکیہ کلام''جل جلالہ'' تھا، جرمن،فرانسیسی، انگریزی،عربی، فارسی، اردوکئی زبانوں میں عبور تھا۔قوم کے جرمن تھے۔ جنات سے بھی ربط تھا۔ باپ ان کے ہندوستان میں ڈاک خانہ جات انسپکٹر جنرل رہ چکے تھے۔ یہ بغداد میں مسلمان ہوئے اور علی گڑھ میں وصال ہوا۔تعلیم یافتہ طبقہ میں ان کا خوب فیضان تھا۔ بہت پہنچے ہوئے بزرگ تھے، دوستی بڑھی بے تکلفی بڑھی، برنی کہتے ہیں:

> ''حضرت نے انتہائی محبت سے چاہا کہ خاص خاص شغل مفیدہ سہولت سے طے کرا کر بعض بعض نادر کمالات سے سرفراز فرمائیں لیکن اپنا ذوق ہے۔کمال کے اکتساب پر طبیعت آمادہ نہیں ہوئی اگر بے کمالی تحقیق ہو جائے یہی انسان کا سب سے بڑا کمال ہے۔حضرت اصلی منشا پا گئے۔ اس کو عالی ہمتی قرار دے کر بہت داد دی سینہ سے لگایا کہ اب کسی کمال کے حصول کی ضرورت نہیں ہزار کمالات ہوں، عبدیت ہی اصل اور انتہائی مقام ہے۔ اس میں خوف وگزند نہیں حفاظت یقینی ہے۔''[۱۵]

ڈاکٹر ضیاء الدین احمد کے اعزازی پرسنل اسسٹنٹ:تعلیم کا آخری زمانہ تھا اس زمانے میں مسلم یونیورسٹی کے قیام کا

کام چل رہا تھا۔ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد یونیورسٹی کے کانسٹی ٹیوشن کمیٹی کے معتمد تھے۔ برنیؒ اعزازی پرسنل اسسٹنٹ کی حیثیت سے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ کام کرتے تھے، ڈاکٹر صاحب دل کھول کر کھلاتے اور کس کر کام لیتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب طلبہ کو بہت عزیز رکھتے تھے اور خود بہت ہر دل عزیز تھے۔ سید راس مسعود بھی یہاں آتے تھے۔ اسی زمانے میں ان سے بھی دوستی ہوئی۔ [۱۶]

نواب وقار الملک بہادر کے ساتھ اعزازی مددگار: برنیؒ اس طرح نواب وقار الملک بہادر (المتوفی ۱۹۱۷ء) کے بھی اعزازی مددگار رہے، یہاں خور ونوش کہاں مگر صحبت ایسی نعمت تھی جس کا کوئی بدل نہ تھا۔ شام کو جب فرصت ہوتی تو راس مسعود تشریف لاتے ڈاکٹر صاحب سے بہت تعلق تھا، روزانہ یہی معمول تھا۔ [۱۷]

علی گڑھ میں سر آدم جی پیر بھائی کے پوتوں کی اعزازی اتالیقی: سر آدم جی پیر بھائی وہ ہیں جنھوں نے یک مشت ایک لاکھ روپیہ نقد دیا، جس سے علی گڑھ کالج میں سائنس کا شعبہ قائم کیا گیا تھا۔ سر آدم جی نے جب اپنے پوتوں حسن علی، محبت علی، اشرف علی کو اسکول میں داخل کیا انھیں ان کی اخلاقی تربیت کا بہت خیال تھا۔ نواب وقار الملک نے بہت غور وخوض کے بعد برنیؒ کے سپرد کیا، موصوف نے اتالیقی کی خدمت بعض اختیارات وشرائط کے ساتھ قبول کی۔ چونکہ اقتدار برتنا ضروری تھا اس لیے معاوضہ قبول کرنے سے معذرت کی، اعزازی حیثیت سے یہ ذمہ داری قبول کی۔ ان سے تعلقات قائم رہے۔ [۱۸]

سر راس مسعود سے دوستی اور ان کی شادی کے انتظام کی تمام تر ذمہ داری: یوں برنیؒ کی راس مسعود (المتوفی ۱۹۳۷ء) سے دوستی ہوگئی اور تعلقات میں اتنی ترقی ہوئی کہ جب راس مسعود کی علی گڑھ میں شادی ہونے لگی تو ان کے قدیم دوست بہت تھے لیکن انھوں نے اس موقع پر برنیؒ کو سینہ سے لگایا اور کہا تم میرے حقیقی بھائی کے برابر ہو۔ شادی کا اہتمام تم اپنے ذمہ لے لو تو مجھے اطمینان اور خوشی ہوگی۔ برنیؒ کا بیان ہے، یہی ہوا، لینا، دینا، نقدی، نیوتہ، بری، جہیز، کل اہتمام اپنے ہاتھ میں رہا۔ اللہ تعالیٰ نے حسن انجام سے سرخرو فرمایا۔ اس شادی کی مصروفیت میں ایک ہفتہ ایسا گزرا کہ نہ دن کی خبر، نہ رات کا ہوش مگر خوشی کا جوش تھا، نہ گرانی نہ تکان، جب موقعہ ملا کھا لیا جب موقع ملا سو لیے، ہر دم تازہ دم، عجب تقریب تھی۔ اس کے بعد ان سے دوستی ومحبت اور پختہ ہوگئی۔ [۱۹]

شہسواری: کالج ہمیشہ سے کھیلوں کے معیار میں بلند رہا۔ باقاعدہ ٹیم میں جگہ نہ پا سکے: کپتان وغیرہ تعلق میں اچھے تھے۔ اپنی ٹیم بنا کر کھیلتے تھے۔ [۲۰] گھوڑے سواری کا اسکول تھا جس میں بارہ گھوڑے تھے، یہ سیکھی، گرے پڑے بعض موقع پر جان پر بھی بنی۔ اللہ کا فضل رہا حادثہ سے محفوظ رہے۔ اس کی امتحان دے کر سند بھی لی اور والدؒ کی ہدایت پر عمل کیا کہ بغیر وضو گھوڑے پر سوار نہ ہوا اور سواری کے وقت آیت شریفہ پڑھی۔ والد یہ دونوں باتیں مسنون بتاتے تھے۔ [۲۱] کالج میں تیراکی سیکھنے کے لیے حوض نہیں بنایا گیا تھا۔ [۲۲]

قادیانیوں سے معرکہ آرائی: قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ اور قادیانی قول و فعل میں ملاحظہ فرمایئے جو ہند و پاک میں ہر جگہ دستیاب ہے۔

ایم۔اے میں کامیابی اور علی گڑھ کالج میں بی اے کو معاشیات پڑھانے پر تقرر: برنی کا ''ایم۔اے'' میں

داخلہ ہو جانے کے بعد علی گڑھ کالج میں بی اے کی کلاس کو معاشیات کی تعلیم پر ان کا تقرر عمل میں آیا۔[۲۳] اور چار (۴) برس تک علی گڑھ کالج میں پڑھایا۔ نتائج بہت اچھے رہے اور طلبہ بھی خوش رہے۔ بجٹ میں گنجائش نہ تھی ڈائننگ ہال کی بچت سے سو روپے ماہ وار الاؤنس دیا جاتا تھا۔ تین مہینے کی چھٹی میں یہ بند رہتا تھا۔ اس حساب سے اوسط پچھتر روپیہ ماہوار ہی ہوتا تھا۔ برنیؒ کہتے ہیں: ''ہم مگن تھے کہ بی اے کی تعلیم کا موقع ملا۔''[۲۴] یہ ایسا زمانہ تھا کہ ہندوستانی پروفیسروں کو بھی بی اے کلاس نہیں ملتی تھی۔ اس لحاظ سے بھی یہ ایک اعزاز تھا۔

حیدرآباد دکن سے ولایت میں مزید تعلیم کے لیے وظیفہ کی منظوری: برنیؒ نے ''بی اے'' کو معاشیات پڑھانے کے زمانے میں ولایت میں مزید تعلیم کی غرض سے وظیفہ کی حیدرآباد میں کوشش کی۔ چنانچہ سید مہدی حسن بلگرامی سے ملے، انھوں نے اسکول میں معائنہ کے موقع پر جو امتحان لیا تھا، یاد دلایا پھر کیا تھا وہ مدد کے لیے تیار ہو گئے اور انھیں اسکالرشپ کمیٹی کے ارکان کے پاس انھیں لے گئے۔ وہ مہربانی سے پیش آئے لیکن بات فینانس کے صدر المہام مسٹر گلانسی پر ٹھہری۔ موصوف سے پہلی ملاقات ہی میں معاشی مسائل پر طویل بحث چلی وہ اتنے خوش ہوئے کہ اسی نشست میں خلافِ معمول وظیفہ کا وعدہ فرمایا، منظورہ وظائف میں گنجائش نہ تھی۔ ایک خاص وظیفہ منظور کرا کر وعدہ پورا کیا۔[۲۵] اور کیمبرج میں داخلہ کا انتظام ہو گیا۔ روانگی میں ایک ہفتہ باقی رہ گیا تھا کہ یورپ میں جنگ چھڑ گئی اور جانا ملتوی ہو گیا۔

دس برس تک وظیفہ برقرار آخرکار جانے سے معذرت: دس برس ۱۹۳۴ء تک یہ وظیفہ برنیؒ کے نام پر باقی رہا اور پھر ولایت جانے سے معذرت پر وہ منسوخ ہو گیا۔[۲۶] برنیؒ کی زندگی کا دوسرا دور ۱۹۰۸ء تا ۱۹۱۷ء علی گڑھ میں گزرا۔[۲۷]

ماں کی دعا کا ثمرہ: برنیؒ نے اپنی والدہ کے انتقال کا سال سفرنامے میں کہیں نہیں لکھا۔ بہرحال ۱۹۱۴ء تک بقید حیات تھیں۔ برنیؒ کو کیمبرج کے لیے وظیفہ اور داخلہ منظور ہو چکا تھا اور جانا یقینی تھا۔ یورپ میں جنگ چھڑنے سے ملتوی ہو گیا۔ اور وظیفہ دس سال تک ان کے نام محفوظ رہا۔ اس عرصہ میں بارہا سرکار کی طرف سے تقاضا ہوتا رہا ان کی والدہ نے کئی مرتبہ انھیں تنہائی میں سمجھایا کہ ترقی میں کوتاہی نہ کرو۔ میں بخوشی تم کو سفر کی اجازت دیتی ہوں لیکن برنیؒ کو احساس تھا کہ ضعف پیری میں ان کو جدائی کا صدمہ دینا سوہانِ روح ہے۔ اس لیے موصوف نے ان سے پوچھا کہ جدائی میں آپ کا کیا حال ہوگا تو فرمایا کہ اس بارے میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتی۔ دل پر کس کا قابو چلتا ہے۔ تاہم خوشی سے اجازت ملنے کے بعد تم پر کوئی ذمہ داری نہیں آتی۔ ہم نے کہا: ہم بھی دل سے مجبور ہیں۔ اس قیمت پر ہم کو ترقی مطلوب نہیں، صبح کا سہانا وقت تھا ان کی والدہ کا یہ فقرہ سن کر دل بھر آیا، دوپٹہ کا پلّو پھیلا کر جو رقت سے برنیؒ کے حق میں دعا کی وہ کام کر گئی۔ اس نے برنیؒ کو ترقی دلائی۔ والد بھی ان کی اس استقامت پر بہت خوش ہوئے۔ پھر تصنیف و تالیف کا چسکا لگ گیا۔ ملازمت کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ دنیا نے گھیر لیا۔

والدہ ماجدہ کا انتقال: والدہ کا انتقال بھی عجیب رہا۔ صرف دو تین روز علالت رہی۔ علی الصباح جب آسمان صاف تھا۔ یٰسین شریف سنتے سنتے فرمانے لگیں کیسے بادل آئے ہیں۔ کیسی خوش رنگ گھٹائیں ہیں، کیسی ٹھنڈی ہوا

ہے کیا سہانا وقت ہے۔ حضرت والد نے فرمایا۔ الحمد للہ برزخ کھلا تو رحمت کی گھٹائیں نظر آئیں۔ منزل قریب معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ ادھر ادھر دیکھا جیسے کوئی نئی جگہ غور سے دیکھتا ہے، کلمہ پڑھا تو منکا ڈھل گیا اور جنت کو سدھاریں۔[۲۸] انتقال کو عرصہ گزر چکا لیکن والدہ صاحبہ مرحومہ کی علیحدگی کچھ علیحدگی نہیں معلوم ہوتی بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے۔

آنکھوں سے تو چھپ جانا اور دل میں رہا کرنا

جامعہ عثمانیہ میں دارالترجمہ کا قیام اور برنیؒ کی واپسی: ۱۹۱۷ء میں جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن میں دارالترجمہ کا قیام عمل میں آیا تو اچانک ان کے مخلص دوست سرراس مسعود جو جامعہ عثمانیہ میں ناظم تعلیمات تھے انھوں نے کالج کے پرنسپل اور برنیؒ دونوں کو تار اور خط بھیجا کہ برنیؒ کو چھوڑو تاکہ وہ یہاں آئے۔ حیدرآباد میں باپ، بھائی سب برسرکار تھے، کام بھی اردو کا تھا۔ پرنسپل نے روکنا چاہا لیکن دس دن میں اجازت مل گئی اور ۱۱رستمبر ۱۹۱۷ء کو برنیؒ حیدرآباد آ گئے۔ دارالترجمہ میں معاشیات میں ترجمہ کا کام شروع کیا پھر مختلف عہدوں پر کام کیا۔

جامعہ عثمانیہ میں کالج کا قیام اور شعبہ معاشیات کی سربراہی: دو سال میں جامعہ عثمانیہ میں کالج کھل گیا تو معاشیات کا شعبہ انہی کے سپرد کر دیا گیا۔ پھر ترجمہ و تصنیف کا کام بھی ملتا رہا۔[۲۹] اس طرح معیشت الہند اور علم المعیشت اور کئی کتابیں تیار ہوگئیں جو دارالترجمہ سے شائع کی گئیں۔ تقریباً ۱۶ سال جامعہ عثمانیہ میں صدرِ شعبہ معاشیات کی حیثیت سے تعلیم دی۔ ضمناً نظام کالج میں سال دو سال ہنگامی پروفیسر معاشیات بھی رہے۔[۳۰] پھر پانچ سال تک دارالترجمہ میں ناظم رہے۔[۳۱]

بزرگوں سے فیض: برنیؒ کی خوش نصیبی تھی کہ انھوں نے شروع سے خوش عقیدگی کی فضا میں پرورش پائی۔ روحانیات وتصوف سے فطری دلچسپی رہی۔ انھیں لڑکپن سے بزرگوں کی صحبت حاصل رہی۔ فیض پہنچتا رہا موصوف کا بیان ہے:

> ''لڑکپن تک خورجہ کے قیام میں حکیم سید زین العابدین ایک صاحبِ نسبت و صاحبِ کرامت بزرگ کی تعلیم سے فیض ملتا رہا۔ علی گڑھ کالج کے دس (۱۰) سالہ قیام میں حضرت مولانا خلیل احمد اور حضرت عبداللہ شاہ قادری کی عنایات والتفات سے قال و حال میں جان پڑ گئی، وہ سنا وہ سمجھا اور وہ دیکھا کہ اللہ کی شان نظر آنے لگی۔''[۳۲]

اور جب حیدرآباد میں آنا ہوا تو لکھتے ہیں:

> ''یہاں بزرگوں کا کیا کہنا ماشاءاللہ حقائق و معارف کے چمن کھلے ہوئے ہیں البتہ
>
> ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است
>
> جامعہ عثمانیہ میں عبدالقدیر صدیقی سید ابراہیم ادیب پروفیسر شعبۂ عربی سے گفتگوئیں ہوئیں تو ایمانیات اور تصوف کے مسائل تازہ ہوجاتے، ملاقاتوں میں بڑی خیر و برکت رہی۔''[۳۳]

مرشد کی مانگ اور ان تک رسائی: اس کی حقیقت برنیؒ کی زبانی سنیے، کہتے ہیں:

''ابتداً (۱۹۱۷ء-۱۹۲۱ء) جب محلّہ جام باغ ترپ بازار میں قیام تھا حسن اتفاق کہیے مشیت الٰہی کہ کسی تحریک کے بغیر ایک دن بعد نماز فجر نادانستہ طور پر کرایہ کے مکان کا خیال آیا ایک نوتعمیر مکان پر ''کرایہ کے لیے خالی'' تختی لگی ہوئی تھی، دستک دی، ماما آئی، پھر بحیثیت مکاندار ایک بزرگ آئے، تعارف ہوا یہ شاہ محمد حسین صاحب تھے جو عارف باللہ شاہ کمال قادری مچھلی والے کے خلیفہ تھے، ان سے بات طے ہوگئی، پھر دینی و روحانی روابط بڑھے اور راہ حق کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ چلا'' [۳۴]

یہ وجودی بزرگ تھے۔ ماہ شوال ۱۳۴۴ھ: ۱۹۲۵ء میں موصوف کے دست حق پرست پر قادری چشتی نقشبندی سلسلوں میں بیعت کی، پھر خلافت سے سرفرازی حاصل کی اور جب موصوف ناظم علالت ہوکر سمستامیؔ و فیری چلے تو خط کتابت کا سلسلہ قائم رہا۔ چنانچہ مؤرخہ ۱۱رخوردار ۱۳۴۳ف کو شاہ محمد حسینؒ نے ایک گرامی نامہ برنیؒ کو بھیجا اس میں لکھا تھا:

''میری دعا ہے کہ آپ کے فیض ولایت سے سارا عالم فیض یاب ہو۔ یہ قیام خانوادۂ الیاسیہ علوم الٰہیہ کی تبلیغ مقتضائے وقت کے مطابق ہو۔ آپ کا وجود نورانی اور نور ہے کہ جس سے افراد عالم متمتع ہوگا۔ الحمد للہ کہ اس کے آثار مختلف اعتبارات سے نمایاں ہو رہے ہیں۔ جب کام اخلاص سے ہو تو مقبولیت یقینی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے کاموں میں برکت اور ہر قسم کی نصرت شامل رکھے۔'' آمین ثم آمین'' [۳۵]

خلافت نامہ پر دستخط کیے اور نقل پر شاہ کمال اللہ شاہ کے دستخط کے ساتھ بطور گواہ عبدالخالق خان اور محمود علی بیگ کے دستخط کرا کر بھیجا اور برنیؒ کو تاکید کی تھی کہ یہ سلسلہ جاری رکھیں۔ چنانچہ مصروفیت کے باوجود خاص دائرہ میں اس پر عمل ہوتا رہا۔ شاہ محمد حسینؒ کے وصال کے بعد مریدوں کا مطالبہ شدت اختیار کر گیا تو ۹رذوالحجہ دوشنبہ ۱۳۷۶ھ-۷رجولائی ۱۹۵۷ء سے بیعت کا عمومی آغاز برنیؒ کے لیے خاندان سے ہوا۔

سالکان طریقت کو خلافت سے سرفرازی: اس سے پہلے محدود حلقہ میں جو کام جاری تھا وہ بھی تکمیل کو پہنچا۔ چنانچہ مرزا محمود علی بیگ، عبدالحلیم، عبدالخالق خان، غلام دستگیر رشید اور احمد حسین خان کو ۲رذی الحجہ مطابق ۱۹رجولائی ۱۹۵۷ء کو خلافت سے سرفراز کیا گیا۔ [۳۶]

فن تجوید و قرأت کی تحصیل: برنیؒ نے اس فن کو مولانا محمد القدیر صدیقی قادری حیدرآبادی (۱۲۸۸-۱۳۸۱ھ) سے سیکھا تھا۔ فرماتے ہیں: حضرت کی صحت میں ہم کو بھی قرأت کا خیال پیدا ہوا۔ اوّل تو ہم اس کو محض زیبائش اور تکلف سمجھتے تھے مگر جب سمجھے تو معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن میں اس کی بڑی ضرورت ہے۔ بلکہ قرأت کا حق ادا کرنا ہو تو قرأت لابد ہے۔

البتہ عام طور پر اس کے نکات و تفصیلات جاننے ضروری نہیں۔ بنیادی اصول جاننے کافی ہیں۔ ان کی مشق ہو جائے تو تلاوت درست ہو جائے۔ صحتِ تلاوت سے قرآنِ کریم کا لطف آئے۔

فیض کا راستہ کھل جائے۔ یہ کام اتنا دشوار نہیں جتنا دشوار سمجھتے ہیں۔ چنانچہ چند ماہ کی توجہ اور محنت سے ہم نے فنِ قرأت کو سمجھا۔ اس کی مشق کی حتیٰ کہ قرأت کے قاعدہ سے حضرت کو تمام قرآن کریم از اوّل تا آخر ایک ماہ میں پڑھ کر سنایا۔ حضرت نے ہمارے عبور کو پسند فرمایا اور اطمینان ہونے پر قرأت کی سند عطا کی۔ لیکن پختگی کے واسطے مزاولت کی ضرورت ہے۔ جب تک کافی مدت دَور نہ رہے مشق پختہ نہیں ہوتی۔ فن قابو میں نہیں آتا۔ ہم اپنی مصروفیتوں سے ہمیشہ عاجز رہے۔ ایک سر و ہزار سودا .... ہمیشہ یہی حال رہا۔ دور باقاعدہ جاری نہ رکھ سکا۔ درمیان میں وقفے ہوتے رہے۔ نتیجہ یہ کہ عبور غائب ہوگیا۔ سرسری خاکہ ذہن میں رہ گیا۔ پھر موقع ملے تو تجدید کی جائے۔ جس زمانہ میں عبور حاصل تھا، رفاہِ عام کے خیال سے کہ فنِ قرأت کے سمجھنے میں آسانی و دلچسپی ہو۔ جدید طرز پر ایک رسالہ بھی لکھنا شروع کر دیا۔ چنانچہ تقریباً نصف بھی لکھ لیا مگر پھر جو سلسلہ ٹوٹا تو اب تک نہ جڑ سکا۔ مسودہ یوں ہی ادھورا پڑا ہے۔ اور فی الحال عبور بھی باقی نہیں۔ اللہ کو منظور ہو اور آئندہ موقع ملے تو امید ہے کہ منصوبہ پورا ہو جائے فنِ قرأت پر رسالہ شائع ہو جائے۔ وما توفیقنا الا باللہ۔ بعد میں یہ کتاب مکمل کی۔[۳۷]

کھیلوں پر تبصرہ، بنوٹ کے فن پر رسالہ، فن پر تنقید: یوں تو ہر کام میں قوت کی ضرورت ہے ______ لیکن کشتی میں جتنی قوت درکار ہے۔ بنوٹ میں اس کی اتنی ضرورت نہیں۔ رگ پٹھیوں سے کام زیادہ لیتے ہیں حریف بہ آسانی زیر ہو سکتا ہے۔ فن سے کام لیں تو تھوڑی قوت کافی ہلوتی ہے۔ اور یہی بنوٹ کی بڑی خوبی ہے۔ دست بدست پکڑ کے سوا۔ خنجر تلوار سے بھی مقابلہ کرتے ہیں لیکن سب سے زیادہ کمال چھڑی میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہی اس کا خاص ہتھیار ہے۔ کھیل ورزش کا تو پہلے ہی شوق تھا۔ حیدر آباد میں بنوٹ کی فضا ملی۔ حضرت مولانا عبدالقدیر حیدر آبادی کی دیکھا دیکھی ہمیں بھی شوق ہوا۔ حضرت کے ہاں کام دیکھا۔ پھر حضرت ہی کے مشورے سے ایک مستند استاد مقرر کیا۔ اس سے کئی سال کام سیکھا۔ ان دنوں علی گڑھ جانے کا اتفاق ہوا تو مسلم یونیورسٹی میں بریلی کے ایک استاد سید صاحب بنوٹ سکھانے پر مامور تھے۔ اچھے استاد تھے۔ انھوں نے بھی کام دکھایا۔ پھر بنگلور میسور جانا ہوا تو وہاں بھی پرانے استاد جمع ہوئے۔ کام کا مظاہرہ ہوا۔ غرض کہ بہت کچھ دیکھا۔ اور خود بھی سیکھا تھا۔ کام میں فنی حیثیت سے ایک بڑی خامی نظر آئی۔ وہ یہ کہ اصول کا فقدان تھا عمل میں کوئی اصول ربط نہ تھا۔ جو فن کے واسطے لابد ہے۔ بس مشق ہی مشق تھی۔ یہ کام کیا وہ کام کیا۔ دہراتے دہراتے مشق ہوگئی۔ جیسے کوئی اقلیدس کی چند متفرق شکلیں یاد کر لے مگر یہ نہ جانے کہ نقطہ کیا ہے۔ خط کیا ہے؟ سطح کیا ہے؟ جسامت کیا ہے؟ اصول کیا ہیں؟ اشکال کیا ہیں؟ ان میں ترتیب کیا

ہے۔ تعلق کیا ہے۔ ثبوت کیا ہے نتیجہ کیا ہے؟ اور جب تک فن میں لوازم نہ ہوں محض رسمی تقلید پر تعلیم یافتہ نوجوان آمادہ نہیں ہوتے۔ چنانچہ یہ صورت حال دیکھ کر ہم نے کئی سال غور وفکر کیا۔ تجربات کیے کہ علم وعمل کا کوئی اصولی ربط قائم ہو جائے۔ تو فن میں جان پڑ جائے۔ جس حد تک بھی کامیابی ہوئی خدا کا شکر ہے۔ چنانچہ اپنی تحقیقات کے مطابق اس فن میں ایک رسالہ تصنیف کر لیا۔ البتہ طبع نہیں کرایا۔ اوّل تو زمانہ کی نزاکت مگر اس کا طرزِ بیان حسن اتفاق سے ایسا بن پڑا جس کو سمجھا دو۔ اس کے واسطے آئینہ جس کو نہ سمجھاؤ اس کے واسطے معمہ دوسرے خوف یہ کہ رسالہ کی اشاعت پر تعلیم کی فرمائش بڑھی تو اپنے پاس وقت کہاں خود ہم کو مزاولت کہاں۔ تاہم ممکن ہے۔ آئندہ کوئی صورت نکل آئے اور محنت کام آئے۔ ان شاء اللہ [۳۸]

۱۹۲۷ء میں بلاد اسلامی کا سفر اور حج و زیارت کا شرف: برنیؒ کے مرشد شاہ محمد حسین چشتی قادری نے ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں حج کیا تو آ کر انھیں بشارت دی کہ ان شاء اللہ قریب ہی آپ کو بھی یہ سعادت نصیب ہوگی۔ [۳۹] چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ برنیؒ نے ایک دن فرصت میں مولانا عبدالقدیر صاحب حیدرآباد سے دوران گفتگو میز سے جنتری اٹھائی تعطیلات پر نظر پڑی تو رخصت ملا کر دیکھا اتنی مدت ہوگئی سفر بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

عبدالقدیر صاحب، ان کے مرید سید [۴۰] حبیب علی اور مخلص دوست لطف [۴۱] احمد بھی تیار ہو گئے۔ دو سید ایک صدیقی اور برنیؒ فاروقی چاروں قافلہ تیار ہو گیا۔ امیر قافلہ برنیؒ صاحب کو بنایا گیا چنانچہ موصوف فرماتے ہیں:

خدا کا فضل تھا ایک جان چہار قالب تھے۔ ایک دل ایک زبان تھے۔ چنانچہ ہمارے دوست سید امجد حسین، امجد فرماتے ہیں۔

اک راگ بنا ہے مختلف سر مل کر
تصدیق ہوئی چند تصور مل کر
برنیؒ ، حسرت ، حبیب ، لطف احمد
اک جسم بنا ہے چار عنصر مل کر [۴۲]

قرآن کریم کھولا یہ آیت شریفہ نکلی:

وَهُدُوٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ [۲۴] [۴۳]

اس سفرنامہ کا نام صراط الحمید رکھا..... جیسی نظر ویسی دید، جیسی طلب ویسی یافت ع

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

بہرحال روحانی فیوض و برکات کی بحث بہت نازک ہے جس پر گزرے وہی جانے ع

لذت مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

برنی اس سفر کی مدت اور اس کی برکات کی تذکرہ یوں کرتے ہیں:

یکم رمضان المبارک مطابق ۶/مارچ ۱۹۲۷ء کو روانہ ہوئے اور ۲۹/ذی الحجہ مطابق ۲۰/جون

۱۹۲۷ء کو گھر لوٹ آئے۔ چار ماہ میں اللہ تعالیٰ نے اتنی وسعت و برکت دی کہ عراق، شام، فلسطین اور حجاز، دور دراز ممالک کا سفر طے ہو گیا۔ بغداد شریف وملحقات شریفہ میں دو ہفتے، دمشق میں ایک ہفتہ، بیت المقدس میں ایک ہفتہ، مدینہ منورہ میں تین ہفتے، مکہ معظّمہ میں دو ہفتے غرض .....قدم قدم پر اور لمحہ لمحہ پر تائید ایزدی اور لطائف غیبی کا جلوہ نظر آتا تھا جو چشم بصیرت کھولتا اور نور ایمانی بڑھاتا تھا۔

مدینہ میں معمولات: حرم نبوی ﷺ میں ہر ایک کا اپنے اپنے اوقات میں اپنا اپنا معمول ہوتا ہے۔ برنیؒ کا معمول یہ تھا:

''شب کو ڈھائی کے قریب حرم شریف کے دروازے کھلتے ہی حاضر رہتے، فرطِ شوق سے بڑے ادب سے لمبے لمبے قدم، آہستہ آہستہ رکھتے، گویا دبے پاؤں جاتے۔ روضۃ الجنۃ میں تلاوت کرتے، محراب النبی میں نماز پڑھتے، مواجہ شریف میں درود و سلام پیش کرتے، پھر وظیفہ پڑھتے، فجر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی تاروں کی چھاؤں میں جنت البقیع میں دوڑ جاتے، نور ظہور کے وقت وہاں بھی یکسوئی ہوتی، سب ہی مزارات پر بلاناغہ حاضر ہوتے، فاتحہ پڑھتے اور حضرت سیدہ خاتونؓ جنت کے مزار پر دیر تک حاضر رہتے مگر دل نہ بھرتا۔ طلوعِ آفتاب کے بعد حجاج کی آمد ہوتی، اس وقت فاتحہ سے فارغ ہو کر حرم شریف واپس پہنچتے۔''[۴۴]

حرمِ نبوی ﷺ میں جاروب کشی: یہاں خدام کے ساتھ جھاڑو مارنے کے کام میں شریک ہو جاتے، ریاض الجنہ میں فرش جھاڑتے، جھاڑ دیتے، خدام میں نام شامل کراتے، غیر حاضری پر باز پرس ہوتی تھی، کام دل کھول کر کرتے اور لطف اٹھاتے تھے۔[۴۵] چنانچہ فرماتے ہیں:

اس میں ایک آدھ گھنٹہ صرف ہوتا صبح ۷-۸ بجے کے قریب فراغت ہوتی تو مکان پر آتا ناشتہ کر کے سو جاتا۔ دوپہر کو اٹھتا۔[۴۶]

شب حضوری: حرم نبوی ﷺ میں رات کو ٹھہرنے کے لیے خصوصی اجازت درکار ہوتی، درخواست کی منظوری منتظمین کی صواب دید پر موقوف ہوتی تھی۔ برنیؒ اور اُن کے دوستوں نے بھی اجازت مانگی تو مل گئی۔ برنیؒ اس کی داستان یوں بیان کرتے ہیں:

''۶-۷ ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ یوم یکشنبہ دوشنبہ کی درمیانی شب حرم شریف میں بسر ہوئی: اس شب کا کیا کہنا۔ زہے قسمت زہے نصیب۔ عشا کی نماز پڑھ کر ہم چاروں اغوات کے چبوترہ پر بیٹھ گئے۔ نمازی رخصت ہوئے، پھر خدام رخصت ہوئے، شاید کوئی خادم اندر رہ گیا ہو، مگر نظر نہیں آیا حرم شریف کے دروازے بند ہو گئے، روشنی مدہم ہو گئی، غرض تخلیہ ہوا تو عجب شانِ جلالت کے آثار محسوس ہونے لگے، بے اختیار دل عظمت سے بیٹھا جاتا تھا، ہم چاروں اندر سے اٹھ کر باہر صحن میں آ بیٹھے۔ نوافل، ذکر و فکر، صلوٰۃ و سلام میں ہر کوئی اپنے اپنے ذوق کے مطابق

مشغول ہوگیا، شاید نیند آئے مگر کیا ممکن ہے کہ پلک جھپکے، البتہ محویت ضرور تھی، رات ڈھلی تو ۲ بجے کے قریب دلوں پر جمال چھا گیا رؤف رحیم کا رنگ آ گیا۔ صاف معلوم ہوا کہ اب حاضر ہونا چاہیے۔''[۴۷]

الحمد للہ اس سے بڑھ کر زندگی میں کون سا وقت آ سکتا ہے۔ اٹھے اور لڑکھڑاتے بارگاہ اقدس کی طرف چلے کسی کے دل میں تخلیہ کی تمنا تھی خدا کی قدرت تینوں رفیق نماز کے واسطے روضۃ الجنۃ میں ٹھہر گئے۔ اور ایک دیوانہ اپنی دھن میں افتاں وخیزاں پہنچا اور مواجہ شریف میں آستانہ معلّی کی جالی مبارک پکڑ کر کھڑا ہوگیا، اللہ اکبر، وہ تنہائی شب کی خموشی، پیشی میں صرف دو شمعیں روشن اور بارگاہِ اقدس کی حضوری ع

یا رب کجاست محرم رازے کہ یک زماں

اتنے چاروں رفیق جمع ہو گئے اپنا اپنا ربط اپنا اپنا حال ع

ہم ہی ہم ہیں تری محفل میں کوئی اور نہیں

گھنٹے منٹوں کی طرح گزر گئے وہی تین بجے حرم شریف کے دروازے کھلے اور تخلیہ برخاست ہوا۔ اپنے حق میں یہ شب، لیلۃ القدر معلوم ہوتی تھی۔ الحمد للہ حمداً کثیراً وصلی اللہ علی رسول اللہ و بارک وسلم۔ [۴۸]

خصوصی صلوٰۃ وسلام کا القاء: برنیؒ فرماتے ہیں:

''مواجہ شریف میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے دعائیں خدا جانے کتنی مانگیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں لیکن ایک دعا اول ہی مانگی کہ ایک ایسی درود ذہن میں آ جائے جس میں حضورؐ کی وہ شان مذکور ہو جو اللہ تعالیٰ کے علم میں مسلم ہے، وہ درود نئی ہو، کسی سے اب تک منقول نہ ہو، وہی پڑھا کروں اور اس کو حضور کا فیض سمجھوں، اللہ تعالیٰ کی شان مجھ جیسے کم علم کے ذہن میں بلا تفکر ایک قرآنی درود شریف معاً اتر آئی۔ اور ہمیشہ وہی ورد رہی۔ وَأَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ۔

اور اس کو یہاں ظاہر کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّم علی سَيِّدِنَا محمدٍ طٰهٰ يٰس حٰمٓ حٰمٓ خَاتَمَ النَّبِيِّن رَحۡمَةَ لِّلۡعَالَمِيۡنَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡن رؤفٌ رَّحِيۡمَ وَاِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُق عَظِيۡمٍ وَ عَلى آلِهٖ وَ صَحبِهٖ اَجۡمَعِيۡن بِرَحۡمَتِكَ يا اَرۡحَمَ الرَّاحِمِين۔

اس درود سے عجیب برکات محسوس ہوتی ہیں۔ امید ہے اس سے مومنین کو فیض پہنچے گا اور خیرِ جاریہ کے ثواب میں اللہ تعالیٰ ہم کو بھی شریک رکھے گا۔ [۴۹]

برنی کی فارمیسی اکسیر انسٹی ٹیوٹ حیدر آباد جہاں برنیؒ کے مجربات تیار ہوتے ہیں:

۱۔ اکسیر کبیر: معدہ کی شکایات میں مفید ہے۔
۲۔ اکیسر آئل: جسم کے درد، ورم، نزلہ، زکام، انفلوئنزا میں مفید ہے۔
۳۔ اکیسر مرہم: جلدی امراض کے لیے مفید ہے۔
۴۔ اکسیر دنداں: خوشبودار ٹوتھ پیسٹ، دانتوں کی شکایات میں مفید ہے۔

مزید برآں بعض موذی امراض جو بالعموم لا علاج پائے جاتے ہیں بالخصوص کینسر ایسے امراض کا بھی علاج بطور خاص کیا جاتا تھا۔

منتظمین: برنیؒ برادران۔ بیت السلام سیف آباد، حیدرآباد اس سے معلوم ہوتا ہے یہ فارمیسی اکسیر انسٹیٹیوٹ موصوف نے ۱۹۵۸ء میں یا اس سے کچھ عرصہ پہلے قائم کیا تھا۔

برنیؒ کے والد ماجدؒ: برنی کے والد حافظ محمد ابراہیم ایک صحت مند شخصیت کے مالک ورزش کرتے تھے۔ آخر عمر تک نشست و برخاست میں کوئی معذوری نہ تھی، ساٹھ (۶۰) سال کی عمر میں آنکھ میں پانی اتر آیا تھا، علی گڑھ میں آنکھ بنوائی، اچھی بنی لیکن پھر پانی اتر آیا، وصال سے دو سال پہلے دہلی میں آنکھ بنوائی بالکل اچھی بنی، اپنی ضرورت کے سب کام کرتے تھے دانت آخر عمر تک مضبوط تھے، صرف آگے کا ایک دانت گرا تھا۔ حافظ تھے بہت پرہیزگار، تہجد گزار، اذکار و اوراد کے پابند بزرگ تھے۔ لڑکپن میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددی (۱۲۳۰-۱۲۹۲ھ) سے بیعت ہو گئے تھے۔ ڈھلتی رات اٹھنا اور نماز کے بعد صبح تک یاد اللہ میں مصروف رہنا، معمول تھا۔ عمر بھر علمی ذوق میں بسر کی۔ وصال سے پہلے رمضان کے روزے نہیں چھوٹے تھے۔ علمی ذوق تاریخ اسلام۔ فقہ۔ تصوف۔ طب سے خاص دلچسپی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سلیس اردو میں لکھی تھی، شاہ ولی اللہؒ کی جوامع کا اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ محمد حقی نازلی کی خزینۃ الاسرار کا اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ یہ سب مسودات کی صورت میں محفوظ تھا۔ فن بیطاری پر ایک رسالہ لکھا تھا۔ طبی مجربات بھی مرتب کیے تھے۔ [۵۰]

حیدرآباد میں بحیثیت وکیل چالیس (۴۰) برس بسر کیے جو لوگ واقف حال تھے کہتے تھے کہ وکالت میں ولایت کر دکھائی تھی۔ [۵۱]

موصوف کے مکتوبات شایع کیے جائیں تو بہت سے جوہر کھلیں۔

برنیؒ کا بیان ہے:

> وصال سے تین سال قبل حسب معمول میں موسم سرما کی تعطیلات میں حاضر خدمت تھا۔ پوچھا تمھیں کوئی استخارہ بھی معلوم ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت کوئی استخارے معلوم ہیں۔ تعمیل ارشاد میں ایک استخارہ عرض کرتا ہوں، مختصر و مقبول ہے، تیسرے دن حسبِ معمول، فجر کی نماز کے بعد، سلام عرض کرنے گیا تو دیکھا کہ لحاف اوڑھے لیٹے ہیں، قریب بیٹھا تو محسوس ہوا کہ رقت طاری ہے، حیرت ہوئی خاموش بیٹھا رہا حضرت کو افاقہ ہوا تو فرمایا کہ واقعی تمھارا استخارہ بہت مقبول ہے۔ میں ادب سے خاموش رہا خود بولے:

لڑکپن میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددی [سے بیعت کی تھی]۔ اس کے بعد بڑے بڑوں کی صحبت وشفقت رہی لیکن کسی سے بیعت کی نوبت نہیں آئی، اب آخر عمر میں یہ خیال ہوتا تھا کہ وہ کم عمری کی بیعت مسلم رہی یا پھر تجدید کی ضرورت ہے، تہجد میں غنودگی ہوتی تو خواجہ باقی باللہ کو متوجہ پایا، انھوں نے فرمایا۔ تمھاری قدیم بیعت مسلم ومقبول ہے اور کل پیرانِ سلسلہ تم پر مہربان ہیں۔[۵۲]

وصیت نامہ اور ورثاء میں جائیداد کی تقسیم: ۲۳؍نومبر ۱۹۳۱ء میں خط بھیجا ناسازیِ طبع سے آگاہ کیا اور لکھا تینوں بھائیوں میں سے جو بھی بآسانی آ سکے ایک ماہ کے لیے آ جائے تاکہ ضروری کام نمٹائے جائیں، عجلت کی ضرورت نہیں۔ بڑےؒ موسم سرما کی چھٹی میں آ جائے تو اچھا ہے، ۱۴؍دسمبر سے سرما کی چھٹی شروع ہوئی میں روانہ ہوا جب میں بلند شہر پہنچا، اولاً ملا تو طبیعت ٹھیک تھی، فرمایا۔ تمھاری آمد کی خوشی میں سنبھل گئی، وصیت نامہ تیار تھا، ۱۷؍دسمبر سہ پہر ملکیت و جائیداد کے کاغذات وحسابات دیکھنے اور سمجھنے شروع کر دیے اور اگلے دن کو صبح سے شام تک یہی کام کیا، تیسرے دن ۱۹؍دسمبر دوپہر تک اس کام سے فارغ ہوا، عدالت کے کارندے منشی اوصاف علی صاحب اس کام میں شریک رہے، منشی جی کو کہیں اگر کوئی پیچیدگی پیش آتی، حضرت اسے سلجھا دیتے تھے۔ اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ وصیت نامہ بعد نظرثانی مکمل ہو گیا، اس میں سب وارثوں کے نام ملکیت و جائیداد کی تقسیم درج ہو گئی اور خاندانی امور کے متعلق ضروری ہدایات بھی اس وصیت نامہ کے بعد خاندان میں کوئی اختلاف نمودار نہ ہو سکا اور اتفاق رہا۔[۵۳]

حج بدل کی وصیت و تاکید: ۱۸؍ستمبر کو جمعہ۔ دن کا بعد نماز جمعہ اطمینان سے بیٹھے تو والد صاحبؒ نے خود ہی حرمین شریفین کا ذکر چھیڑا، مجھ سے حالات سننا شروع کیے جب مدینہ کا ذکر چلا تو طبیعت مچل گئی۔ رقت شروع ہو گئی گھر کی بہو بیٹیاں آ بیٹھیں۔ دلوں کا جوش آنکھوں سے جاری ہو گیا، یقین ہو رہا تھا کہ غلام اپنے آقا کی توجہ سے سرفراز ہوتے ہیں۔

اثر اتنا تو ہو جذب دل ناشاد کبھی
مجھ کو بھولے سے مدینے میں کریں یاد کبھی
ہجر کی میری زبانی سنیں روداد کبھی
ہند میں کرنا مری خاک نہ برباد کبھی

حضرت نے اسی حالت فرمایا کہ دلوں کے حال سے اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے مجھے عمر بھر حج وزیارت کی تمنا رہی اور دو ایک مرتبہ تو تہیہ سفر بھی ہو گیا لیکن نہ معلوم کیا مصلحتِ الٰہی تھی کہ تمنا پوری نہ ہو سکی اور دل کی دل ہی میں رہ گئی تم حج سے آتے میری ہمت بڑھ گئی کہ تم کو ساتھ لے کر جاؤں گا آرام رہے گا۔ لیکن جسم میں طاقت تھی تو نگاہ بے کار تھی۔ اب نگاہ درست ہوئی تو طاقت نے جواب دے دیا، میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ حتی الامکان خود ہی جا

کر میراجِ بدل ادا کرنا۔ اور مدینہ حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کرنا۔ حرم نبوی ﷺ کے خدام اور مدینہ کے حاجت مند باشندگان کی خدمت میں ایک ہزار روپیہ پیش کرنا۔ اس لیے میں اپنے اندوختہ سے دو ہزار روپے کی وصیت کرتا ہوں۔

والد ماجد کا انتقال: ۱۱رجنوری کی رات گزری تیسرے رمضان کو صبح کے وقت وفات پائی قمری حساب سے اکیانوے سال اور گیارہ یوم کی عمر پائی تھی۔

حیدرآباد سے حج بدل کے سفر کا آغاز: تاریخ ۹رمارچ ۱۹۳۳ء یومِ پنجشنبہ شام کو پانچ (۵) بجے حیدرآباد سے رات بارہ (۱۲) بجے گلبرگہ پہنچے اور حضرت خواجہ سید محمد حسینی بندہ نواز گیسو داز کے آستانہ معلّٰی پر فاتحہ پڑھی پھر رخصت ہوئے۔

برنیؒ فرماتے ہیں:

> اول تو حضرت ماشاء اللہ سلطانِ دکن ٹھہرے، دوسرے خدا کے فضل سے اپنا چشتیہ سلسلہ راست حضرت ہی کا سلسلہ ہے۔ اس نسبت سے محمدی کہلاتے ہیں۔ یہاں ہمارے سوا راست محمدی سلسلہ کم نظر آتا ہے۔[۵۴]

ایک دیرینہ ہم جماعت شفقت علی: بمبئی سے جہاز میں سوار ہوئے تو بیس نمبر پانچ (۵) میں جگہ ملی۔ ان کی برتھ کے مقابل برتھ پر ایک قدیم دوست کا بستر جما۔ بیس (۲۰) برس کے بعد بغیر توقع جو یکا یک ملاقات ہوئی تو ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ چند سیکنڈ پہچاننے میں لگے اس کے بعد جو گلے لگے تو کئی منٹ بغل گیر رہے۔

اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

برنیؒ فرماتے ہیں:

> ہم نے ایک ہی سال میٹرک کا امتحان درجہ اول میں پاس کیا، ایک ہی سال علی گڑھ میں داخل ہوئے۔ دونوں ہونہار سمجھے جاتے تھے، فرق سنیے ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب نے ان کو بہلا پھسلا کر ریاضی و سائنس میں کھینچا، ہم فنون میں جمے رہے انھوں نے بی ایس کیا، ہم نے اکنامکس میں ایم۔اے کیا۔ ایل ایل بی کی سند دونوں نے حاصل کی، ان کا وطن مظفر نگر، ہمارا بلند شہر۔ کالج میں یہ پکی بارک میں، ہم پکی بارک میں رہتے تھے، یہ نماز کے مانیٹر اور ہم طعام کے مانیٹر تھے، سوٹ بوٹ سے دونوں الگ تھے، کالج کی رعایت سے یہ داڑھی کی تواضع کرتے تھے، ہم اس سے بھی بے فکر تھے۔ اب ان کی یک مشت میں دو انگشت کسر ہے اور اپنی رہی خشخشی، اب یہ خاصے مولوی نظر آتے بفضلہٖ عنقریب حاجی بھی ہو جائیں گے۔ یہ نماز کے شروع ہی سے پابند تھے، اب ماشاد اللہ ذکر اذکار ہیں، اشغال ہیں مراقبے ہیں اور کیوں نہ ہوں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مرید ہیں۔ ان شاء اللہ وہ دن دور نہیں جب کہ حضرت الحاج مولانا شفقت علی صاحب انگریزی تعلیم یافتہ جماعت میں بڑے بزرگ شمار ہوں گے۔

اپنا تو وہی حال ہے۔

گزری جہاں کے باغ میں یکساں برنگ سرد
سوکھے کبھی خزاں میں نہ پھولے بہار میں

وہی طرز، وہی روش، وہی وضع قطع، ہم نے ایل ایل بی کرتے وقت سوچ لیا تھا کہ ''داشتہ آید بکار'' البتہ شفقت علی نے اس سند سے خوب کام لیا سہارنپور میں چوٹی کے وکیل ہیں۔ ہم تعلیم و تصنیف میں مصروف ہیں۔ [۵۵]

مقامات زیارت: برنیؒ فرصت کے اوقات میں آثار قدیمہ کی زیارت کے لیے بھی جاتے تھے جو سعودی حکومت نے اب ڈھا دیے تھے جیسے مولد النبیؐ، مولد فاطمہؓ، مولد علیؓ، چنانچہ برنی فرماتے ہیں:

یہ تینوں مقام اب ویران چٹیل میدان پڑے ہیں، لوگ پتہ بتاتے ڈرتے ہیں کوئی نہ بتائے تو گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہاں دنیا کی بہترین مرصع اور متبرک عمارات کھڑی تھیں۔ ظاہر و باطن کی نعمتوں سے مالا مال تھیں۔ ان کی زیارات سے آنکھوں میں نور، دل میں سرور آتا تھا، اب وہ سب خواب و خیال ہو گیا، البتہ جو حقیقی برکات ہیں، وہ حقداروں کے واسطے دائم قائم ہیں۔ [۵۶]

غسلِ کعبہ کا معطر زمزم کا گلاس: برنیؒ معلم کے چھوٹے بھائی حسین صاحب کے ساتھ ۴ر ذی الحجہ یوم پنجشنبہ صبح کے وقت شیبی صاحب سے ملاقات کی غرض سے نکلے، جاتے وقت حرم شریف سے گزرے تو حسین نے کہا آج بیت اللہ شریف کو غسل دیا گیا ہے۔ ان کا مکان اس کی خوشبو سے معطر تھا۔ جب برنیؒ پہنچے تو شیبی جلالۃ الملک سے ملنے گئے تھے۔ ذرا سی دیر بیٹھے تو حسین نے شیبی کے صاحبزادے سے پانی مانگا۔ اس نے ٹھنڈا زمزم پیش کیا۔ برنیؒ فرماتے ہیں:

مجھ سے دریافت کیا گیا میں کیوں انکار کرتا، لیکن زہے قسمت ہم کو بلاطلب اور بلاتوقع غسل کا معطر زمزم ایک بڑا گلاس بھر کر عطا ہوا، عطیہ الٰہی تھا فوراً ادب سے پی لیا۔ خوشبو سے دماغ بس گیا۔ خوشی سے دل بھر گیا۔ سچ پوچھیے تو روح مست ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ حسین نے مبارکباد دی کہ ایسا تبرک بن مانگے قسمت والوں کو ملتا ہے۔ تیری نیک فالی ہے۔ شیبی صاحب کا تھوڑا انتظار کیا۔ اس کے بعد رخصت ہوئے اور جہاں کہیں جانا تھا گئے۔ سب نے سن کر مبارکباد دی اور بتایا کہ احرام میں معطر زمزم پی لیا تو دم واجب ہے۔ ہم نے عرض کیا ہمیں تو وہم و گمان بھی نہ تھا لیکن ۔

گر یار مے پلائے تو پھر کیوں نہ پیجیے

دو دم بسر و چشم حاضر ہیں سچ پوچھئے تو ایسا تبرک سو دم میں بھی سستا ہے۔ [۵۷]

بیت اللہ میں ایک گھنٹہ: ۵ر ذی الحجہ کو فجر کی نماز کے بعد ہر شخص کو بیت اللہ میں داخلہ کی عام اجازت دی جاتی تھی، اس میں برنیؒ بھی اندر گئے تھے، اس میں بھیڑ بہت ہوتی تھی اس لیے زیادہ دلجمعی سے قیام اور دعا کرنے کا موقع کم

ملتا تھا۔

> دوسرا شیبی صاحب کو نذرانہ پیش کرنے پر خصوصی اجازت سے داخلہ ملتا تھا۔ اس میں یکسوئی ہوتی تھی، برنیؒ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ ان کا بیان ہے ہم نے بھی نذر پیش کی صرف چند حجاج کا داخلہ ہوا۔ اور تقریباً ایک گھنٹہ اندر حاضری رہی، جو پڑھنا تھا پڑھا، جو کہنا تھا کہا، جو دیکھنا تھا، دیکھا، اللہ اکبر! اس عالم شہادت میں اس سے بڑھ کر کیا رسائی ہوگی، بیت اللہ شریف کے اندر حاضر ہیں، عالم باطن خدا پر روشن ہے، کیا خوب ہو کہ ہم بیت اللہ میں داخل ہوں، اللہ تعالیٰ ہمارے دل میں داخل ہو، ہمارا دل پھر بیت اللہ بن جائے، ظاہر کے بیت اللہ میں باطن کا بیت اللہ آ جائے۔ ایک حرم میں دوسرا حرم سما جائے۔ کچھ عجب لطف ہو جائے
>
> ع او درمن و من در وی چوں بو بگلاب اندر
>
> جن کے دل بیت اللہ تھے۔ ان ہی کے ہاتھوں نے اس بیت اللہ کی بنا ڈالی، اور انھی کی دعاؤں سے یہ بیت اللہ آباد ہے، **سبحان الله و بحمدہٖ**۔[۵۸]

مکہ معظّمہ کے دو تبرک: برنیؒ کو قدیم آثار مقدس مقامات کی تصویروں کی جستجو تھی، مختلف دکانوں میں دیکھا لیکن ذخیرہ مختصر تھا۔ کوشش سے ایک غیر معروف قدیم ترکی کمپنی کے فوٹوگرافر کی دکان پر کافی تعداد میں ذخیرہ ملا۔ ان میں بعض نادر تصویریں مل گئیں۔ اس طرح بہت مسلسل اور مکمل البم مرتب ہو گیا۔ دوستوں کے واسطے متفرق فوٹو بچ رہے۔[۵۹]

مکہ معظّمہ کے تبرکات: دو تبرک اہم ہیں ایک زمزم اور دوسرے غلاف کعبہ، زمزم ہر وقت ملتا ہے، خلافِ کعبہ عشرہ ذی الحجہ کو نیا غلاف چڑھتا اور پرانا اتر کر تبرک بن جاتا ہے! بکتا تھا امسال یہ ارزاں تھا پورا کلمہ شریف چار پانچ روپیہ میں ملتا تھا، ہم نے دس بارہ خریدے، ان میں ایک بہت عمدہ تھا بالکل نیا معلوم ہوتا تھا۔ ایک دکان سے اکٹھے خریدے رعایت بھی رہی۔[۶۰]

قصر شاہی میں دعوت: برنیؒ آثارِ قدیمہ کی تصویروں کی جستجو میں ایک دکان میں تھے کہ دو ہرکارے ان کے نام لفافہ لائے اور بولے کہ ہم آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔ یہ دعوت نامے لیجیے اور قصر شاہی میں آج شام تشریف لائیے، ڈاکٹر خواجہ معین الدین صاحب آپ کے انتظار میں ہیں، شرکت کا ارادہ نہ تھا لیکن ڈاکٹر خواجہ کو انتظار تھا ان کے پاس پہنچے تو کہا دونوں ساتھ چلیں گے ان کے اصرار پر قصر شاہی پہنچے۔ اسلامی ممالک کے معزز مہمان بیٹھے تھے۔ مجمع دیکھ کر جی خوش ہوا۔ جلالۃ الملک تشریف لائے۔ مغربیوں کا لباس بہت خوب تھا۔ بعض احرام میں تھے۔ قیمتی تولیے زیب تن کیے تھے بس ہماری حالت قابل دیدنی تھی، معمولی چادروں کا احرام اور وہ میلا سا: بال پراگندہ، گرد آلود، جیسے کوئی دیوانہ، حج کا رنگ خوب چڑھا ہوا۔ امیروں میں ایک فقیر بھی موجود تھا۔[۶۱]

بہر حال جلالۃ الملک کے آنے پر قصیدہ خوانی ہوئی تو حید پر تقریر بھی سن کر تحریک ہوئی کہ ہم بھی تقریر کرتے لیکن عربی پر ایسی قدرت نہ تھی کہ آخر میں جلالۃ الملک نے کہا کہ اگر کوئی حاجی اپنی زبان میں تقریر کرنا چاہے تو اس

کا عربی میں ترجمہ کیا جائے گا، میں کھڑا ہوا میں نے کہا:

> توحید کا دہرانا چنداں کارگر نہیں رسالت کے اعلان ___ اور وضاحت کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد اس ایمانی توحید کا دہرانا ہے جو رسالت کے طفیل حاصل ہوتی ہے اور جو اسلام کے باہر میسر نہیں آ سکتی۔ وہی مطلوب ہے، رسالت میں ہر کوئی سنت پر زور دیتا ہے اور زور دینا بجا ہے۔ اس لیے کہ قرآن میں اتباع کی تاکید ہے لیکن بہت سے اس راز سے بے خبر ہیں کہ محبت اور تعظیم اتباع کی جان ہیں۔ انھی دونوں کے صحیح امتزاج سے حقیقی اتباع پیدا ہوتی ہے، محبت میں قوت ہے اور تعظیم میں اعتدال، جس اتباع کی بنیاد محبت اور تعظیم پر نہ ہو وہ محض ایک رسمی تقلید ہے۔ اتباع نہیں ہے اور نہ اتباع کی خیر و برکت ہے، اتباع کے واسطے محبت و تعظیم کس درجہ لازم ہے اہل علم اس کی اہمیت سے بخوبی واقف ہیں چنانچہ قرآن کریم میں توحید کے پہلو بہ پہلو حضور رحمۃ اللعالمینؐ کی محبت و تعظیم کی جو تعلیم ہے وہ دنیا میں بے نظیر ہے کہ عبدیت میں انتہائی محبوبیت و رفعت موجود ہے۔[۶۲]

عبدالحیٔ کتانی اور عربوں پر اس کا اثر: اس شاہی دعوت میں مغرب کے پیر طریقت سید عبدالحیٔ کتانی اور ملاشور بازار بھی شریک تھے۔ کتانی اپنے اثر و اقتدار میں حضرت شیخ سنوسیؒ کے ہم پلہ مانے جاتے تھے۔[۶۳] دوسرے دن ایک عرب نے موصوف کا تعارفی کارڈ دیا کہ حضرت کو ملاقات کا اشتیاق ہے چنانچہ بعد مغرب حرم میں شیخ سے نیاز حاصل ہوا، گلے لگایا بہت دعائیں دیں ارد گرد عربوں کا مجمع تھا، حضرت کے ساتھ ترجمان بھی تھا، میرے ساتھ عبدالرحمٰن تھے۔ ''فرمایا تمھاری تقریر مؤثر اور بہت مقبول تھی۔ اسلامی جذبات کے اظہار میں تم نے تمام اسلامی ممالک کی طرف سے وکالت و نیابت کی، یہ اللہ کا بڑا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے۔

میں نے عرض کیا حضرت تقریر اردو میں تھی، اس کا عربی میں ترجمہ بھی نہیں ہوا، پھر عربوں پر اس کا اثر کس طرح ہوا۔ فرمایا ایمان و اخلاص میں بھی اثر ہے، تمھاری آواز لب و لہجہ سے حقانیت ٹپکتی تھی، دل لذت اندوز ہو رہے تھے اور تم نے درمیاں درمیان میں جو آیات پڑھیں ان آیات نے عربوں پر مقصد خوب واضح کر دیا، جلسہ حب رسول ﷺ سے مست ہو گیا یہ بیان اختیاری نہیں، فضل الٰہی ہے۔[۶۴]

برنیؒ کا مسلک و مشرب:

برنیؒ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے۔ وہ باقاعدہ عالم نہ تھے، نہ دیوبندی علما سے پڑھا تھا نہ بریلوی علما کے مدرسہ کے فاضل تھے۔ گھرانہ دیندار تھا۔ اس میں میلاد ہوتا تھا جو اس زمانہ میں صوفیانہ مشرب بزرگوں میں رائج تھا۔ ان کی والدہ نذر و نیاز (بزرگوں کی روحوں کو ایصال ثواب کے لیے خیرات) بہت احتیاط و اہتمام سے کرتی تھیں۔[۶۵] برنیؒ صوفی مشرب تھے اور صوفیہ سے ان کا تعلق ہر زمانہ میں برابر قائم رہا ہے۔ اس لیے وہ برزنجی اور قصیدہ بردہ پڑھتے تھے۔ سیرت اور میلاد النبیؐ کے جلسہ میں جاتے، بہت عمدہ اور زور دار تقریر کرتے تھے۔ اس میں دانشور،

محققین، تعلیم یافتہ، اور اہل علم بکثرت آتے تھے نیز حیدرآباد کے فرمانروا عثمان علی خان بھی شرکت کرتے تھے۔ قادیانی مذہب اسی جلسہ کا مظہراور ثمرہ ہے۔

بہ ایں ہمہ وہ ایک منصف مزاج شخصیت کے مالک تھے۔ وہ دیوبندی علما کی کتابیں پڑھتے اور ان سے استفادہ کرتے، ان کا احترام کرتے تھے، وہ حضرت گنگوہیؒ کو ''رحمۃ اللہ علیہ'' کے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ چنانچہ صبح بدل کی بحث میں لکھتے ہیں:

> حضرت مولانا عبدالرشید[۶۶] (رشید احمد) گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس (صبح بدل کے) مسئلہ کو اپنی تالیف زبدۃ المناسک میں بہت وضاحت اور تاکید سے بیان فرمایا ہے۔ یہ تالیف دیکھنے کو تو مختصر سی ہے لیکن غور وفکر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ واقعی دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔اس سے مولانا کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔[۶۷]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

> زبدۃ المناسک دیکھنے میں گو ایک چھوٹی سی اردو کتاب ہے حضرت مولانا حاجی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام مسائلِ حج اس خوبی سے یکجا کر دیے کہ دریا کوزہ میں بند نظر آتا ہے۔غور کیجیے تو اجمال میں تفصیل موجود ہے۔اس سے حضرت کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک علمی کرامت نظر آتی ہے۔ حجاج کے لیے یہ کتاب بڑی نعمت ہے مولوی یحییٰ صاحب تاجر کتب گنگوہ شریف ضلع سہارنپور نے اس کو شائع کیا ہے۔[۶۸]

وہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے والد مولانا ذوالفقار علی دیوبندی کی کتاب قصیدہ بردہ کی شرح عطر الوردہ کا یوں ذکر کرتے ہیں:

> قصیدہ بردہ کی اردو میں کئی شرحیں موجود ہیں ایک شرح عطر الور زدہ کے نام سے، مطبع مجتبائی دہلی نے شائع کی ہے، خوب ہے۔[۶۹]

حضرت مولانا شفیع الدین مہاجر مکیؒ جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ ومجاز تھے اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ ان کے مرید وخلیفہ تھے، مناسک حج کے ماہر تھے۔ برنیؒ نے مدینہ منورہ کی آمد ورفت کے متعلق احرام کے مسائل ان سے پوچھ کر زینتِ کتاب کیے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''حضرت مولانا شفیع الدین نگینہ والے مدت دراز سے بحیثیت مہاجر، مکہ معظّمہ میں مقیم ہیں، حضرت کے علم وفضل کا کیا کہنا سبحان اللہ! خاص کر مناسک حج پر ایسا عبور بہت نادر ہے، اسی لیے حضرت سند مانے جاتے ہیں دوسرے حج میں، تحقیق مناسک (میں) حضرت سے نیاز حاصل ہوا۔ اس ناچیز کے حال پر بہت عنایت وشفقت مبذول رہی۔ چنانچہ مدینہ منورہ کی آمد و رفت کے متعلق، احرام کے مندرجہ بالا مسائل حضرت کا عطیہ ہیں جو بطور خیرِ جاریہ درج کیے گئے ہیں۔''[۷۰]

برنیؒ نے علماء دیوبند کی تعلیمی خدمات کا اعتراف مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے:

''اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ علماء دیوبند میں اشاعت تعلیم کا جو حوصلہ اور سلیقہ ہے، اس کی مثال ہندوستان کے دیگر علماء میں کم نظر آتی ہے، البتہ عقائد کی بحث جدا ہے، یہ ایک قدیم بحث ہے، نئی نہیں۔'' [۴۱]

برنیؒ کو مولانا مناظر احسن گیلانی سے زیادہ جاننے والا کون ہوگا، دونوں جامعہ عثمانیہ کے پروفیسر تھے، دوست تھے، ایک پیر کے مرید و خلیفہ تھے، وہ برنیؒ کے متعلق اپنے ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں:

''پروفیسر الیاس برنی میرے ہم مشرب دوست ہیں۔'' [۴۲]

برنیؒ اس زمانے کی عظیم شخصیات میں سے تھے، لیکن بعض اوقات بڑی شخصیات سے بڑی غلطی ہو جاتی ہے۔ یہ لازمۂ بشر ہے کوئی بشر اس سے خالی نہیں۔ چنانچہ تحفہ محمدی میں درود تاج یا ترجمہ شامل کیا ہے۔ اس میں بعض الفاظ قابل اعتراض موجود ہیں اور وہ صحیح احادیث سے ثابت نہیں، اور یہ درود، درود شریف کی معتبر کتابوں میں منقول نہیں۔ اس کے بجائے اگر وہ اپنا القائی درود اس میں شامل کرتے تو بہتر ہوتا، یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے۔ معمول بہا عبادات کے اجر و ثواب سے زیادہ کسی عمل کا اجر و ثواب بتایا جائے۔ یہ بات اس کے جعلی اور بناوٹی ہونے کی نشانی ہے۔ برنیؒ نے نذر و نیاز کا مسئلہ درست لکھا یوں تو ایصال ثواب کے لیے کوئی دن، تاریخ اور کوئی طور طریقہ معین نہیں، تاہم ہر کام کا ایک موقع اور سلیقہ ہوتا ہے۔ اگر اس کو لازم نہ سمجھا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ باقی نہیں رہتا، لیکن عملاً وہ سب کچھ کرتے تھے جو عام طور پر رائج ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''۱۲ محرم کو ہلیم (حلیم) پر سید الشہداء کی فاتحہ ہوئی۔ غرض محرم شریف کی فاتحہ جو اپنا معمول ہے مدینہ منورہ میں بخیر و خوبی انجام پائی۔'' [۴۳]

ان کی مجموعی حسنات کے مقابلہ میں یہ فروگذاشتیں ایسی ہیں جن کا وزن زیادہ نہیں۔

ناظم دائرہ المعارف اور جامعہ عثمانیہ میں رجسٹرار: نیز ناظم دائرہ المعارف العثمانیہ بھی رہے اس کے بعد آخر دو سال جامعہ عثمانیہ میں رجسٹرار رہے۔ [۴۴]

ملازمت سے سبکدوشی: اکتوبر ۱۹۴۸ء میں جامعہ عثمانیہ سے سبکدوش ہوئے۔ [۴۵] یہاں ان کی زندگی کا تیسرا دور پورا ہوا۔ برنیؒ کی زندگی کا زیادہ تر زمانہ حیدرآباد میں گزرا۔ وہیں کوٹھی بنوائی۔ حیدرآباد میں لڑکیوں کی شادیاں کیں، کتابیں لکھیں اور ۱۹۱۷ء سے ۱۹۵۸ء تک تصنیف و تالیف کا کام انجام پاتا رہا۔

وفات: لال ٹیکری جسے سیف آباد کہا جاتا ہے۔ ایک نہایت پرفضا و خوشنما پہاڑی ہے جہاں پڑھے لکھے شرفا کی کوٹھیاں ہیں، یہیں محمد الیاس برنیؒ نے ایک کوٹھی بنوائی تھی۔ اس کا نام بیت السلام رکھا تھا، اس میں رہتے تھے۔ جنوری ۱۹۵۹ء میں اپنی چھوٹی بہن سے ملنے بلند شہر گئے تھے۔ ۱۵-۱۶ جنوری کی درمیانی شب میں دل کا دورہ پڑا، اللہ کو پیارے ہو گئے۔ تین دن کے بعد ان کے بڑے بھائی حافظ محمد اسماعیل کی حرکت قلب بند ہوگئی اور وہ بھی ۱۸ر جنوری جنت کو سدھارے۔

محمد الیاس برنیؒ کے نرینہ اولاد کوئی نہ تھی، تین لڑکیاں تھیں۔ بڑی دونوں بیٹیوں کا انتقال ہو چکا ہے۔ چھوٹی بیٹی رشیدہ فاطمہ بقید حیات ہیں اور بیت السلام سیف آباد میں رہتی ہیں۔ یہ معلومات ہمیں آل حسن برنی نے اپنے ایک مکتوب میں بھیجی تھیں۔

قاضی کے قبرستان میں جہاں ان کے باپ دادا دفن ہیں وہیں ان کی قبر ہے۔ جب سینہ پر کافور ملا گیا تو وہ سمٹ کر لا اِلٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ جسے دیکھ کر ناظرین حیران وششدرہ رہ گئے۔ یہ انہی بزرگوں میں سے تھے جن پر یہ فقرہ صادق آتا ہے:

دنیا خورد و عقبیٰ برد	دنیا میں مزے اڑائے اور آخرت میں بھی کامیاب
ذلک فضل الله یوتیه من یشاء	یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرمائے

یہ واقعہ مجھ سے ڈاکٹر فاروق مصطفٰی صاحب نے بیان کیا کہ یہ ان کے والد صاحب کا چشم دید واقعہ ہے۔

تلامذہ:

برنیؒ نے عمر بھر پڑھایا۔ ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن تعلقات کم ہی شاگردوں سے رہے جو شاگرد ان سے رہنمائی حاصل کرتے رہے یا جن کی تعلیم و تربیت کی سرپرستی، نگرانی ان کے سپرد تھی ان سے تعلقات قائم رہے۔ چنانچہ شہزادی نواب اعظم جاہ بہادر و بعد کے دونوں شہزادے مکرم جاہ اور مفخم جاہ شاگرد رہے اور یہ ان کی تعلیم و تربیت میں شریک رہے۔ وہ جب ولایت سے آتے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور ملاقات کرتے تھے۔[۷۶]

تصنیفات و تالیفات ـــــ ترجمے اور بعض مشہور اور اہم کتابوں کا تعارف:

برنیؒ نے کتاب علم المعیشت مولوی عبدالحق معتمد انجمن ترقی اردو اورنگ آباد کی فرمائش و ہمت افزائی پر لکھنی شروع کی تھی۔[۷۷] وہ زمانہ تھا جب کہ موصوف کی ''ایم۔اے'' اور ''ایل ایل بی'' کی تعلیم جاری تھی۔[۷۸] موصوف علی گڑھ کالج میں بی اے کے طلبہ کو معاشیات پڑھاتے تھے۔ اور ان کا کاروان عمر ابھی پچیسویں (۲۵) منزل طے کر رہا تھا۔ اردو میں سات سو (۷۰۰) صفحات سے زیادہ کی کتاب پہلی بار ۱۹۱۷ء میں انجمن ترقی اردو نے شائع کی تھی۔ برنیؒ نے اس کی تمہید علی گڑھ کالج میں لکھی تھی۔

اس کتاب کے متعلق ایک بالغ نظر ہوشمند دانش ور عالم مولانا عبید اللہ سندھی (المتوفی ۱۹۴۴ء) کی رائے یہ ہے:

''یورپ میں میری سیاحت کے لیے مولوی الیاس صاحب برنی کی ''علم المعیشت'' بھی ایک محسن کتاب ہے۔ اگر یہ کتاب مجھے نہ ملتی تو میں یورپی اقتصادی پروگرام کو سمجھنے کے قابل نہ ہوتا۔''[۷۹] یہ ایک ایسی علمی شخصیت کی رائے ہے جس نے اس فن کی تحصیل کسی کالج یا یونیورسٹی میں نہیں کی تھی۔ صرف اس کتاب کے مطالعہ سے ایسی بصیرت حاصل کی تھی کہ پورے یورپ کی علم المعیشت کو بخوبی سمجھ گئے تھے۔ چنانچہ موصوف نے اسے اپنی محسن کتابوں میں شمار کیا ہے۔ ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ (المتوفی ۱۹۳۸ء) جو خود بھی معاشیات کے بڑے عالم اور دنیا کے نامور

دانشوروں میں سے ہیں وہ اس کتاب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''آپ کی کتاب 'علم المعیشت' اردو زبان پر احسان عظیم ہے اور مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ اکنامکس پر اردو میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے اور ہر لحاظ سے مکمل۔''[۸۰]

کتاب کے خاتمہ پر موصوف نے جو لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اللہ سے کیسا تعلق تھا اور ان کے دل میں کیسا ایمان راسخ تھا۔ تحریر فرماتے ہیں۔

''علم المعیشت'' کا بیان ختم ہوتا ہے۔ اب صرف آخری نکتہ جتانا باقی ہے کہ اگر کل پہلوؤں پر غور کر کے بنی نوع انسان اپنی زندگی کے واسطے بہترین معاشی اصول دریافت کرنا چاہے تو اس کی ہدایت کے واسطے اللہ جل شانہ نے دریائے حکمت کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ قرآن پاک میں معاشی زندگی کے متعلق بہت سی ہدایتیں موجود ہیں اور صدہا سال کا تجربہ بھی آج انہی ہدایات کا مؤید نظر آتا ہے۔

ہم صرف ایک آیت شریفہ پر اکتفاء کرتے ہیں وھو ہٰذا:

وَّ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔[۸۱]

اور کھاؤ اور پیو اور بیجا خرچ نہ کرو اس کو خوش نہیں آتے بیجا خرچ کرنے والے۔

اس کتاب کے سرورق کی پیشانی پر یہ آیت شریفہ۔ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا (اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کی ملتی ہے گزران تنگی کی۔)[۸۲]

یہ کتاب بہ اہتمام محمد مقتدیٰ شروانی مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ ۱۳۴۶ھ - ۱۹۲۷ء میں شائع کی گئی تھی۔

تصنیفات و تالیفات میں تین باتوں کی پابندی:

برنیؒ کتاب کی تالیف و ترجمہ میں حسب ذیل تین (۳) بنیادی اصولوں کی پابندی کرتے تھے:

۱۔ سلاستِ زبان

۲۔ صفائی بیان

۳۔ دلچسپی مضامین[۸۳]

مناسب طریقہ سے کتاب کو سہل بنانے کی کوشش کرنا چاہیے لیکن صحت کبھی سہولت کی خاطر قربان نہیں ہونا چاہیے، ان کی ہر کتاب کے قبول عام ہو جانے کا ایک اہم راز یہ بھی ہے ان کی ہر کتاب میں ان امور کی پابندی پائی جاتی ہے۔

شعر و سخن:

برنیؒ اچھے سخن شناس تھے۔ موصوف نے معارف ملت[۸۴]، جذبات فطرت[۸۵]، مناظر قدرت[۸۶] یہ قدیم و جدید اردو شعراء کی نظموں کے گوناگوں عنوانات پر نہایت مفید اور جامع انتخاب بارہ حصوں میں پیش کیا ہے۔

جو اربابِ نظر نے بہت پسند کیا، بہت مقبول ہوا۔ اردو ادب میں نظموں کا ایسا جامع انتخاب مشکل سے ملے گا۔ یہ برنیؒ کی اردو ادب میں نظموں پر وسعت و دقت نظر سخن فہمی، حسن ذوق وحسن ترتیب کا آئینہ دار ہے۔

برنیؒ کی شاعری پر انہی کا تبصرہ معروضہ میں موجود ہے جس میں اشاعت کی غرض و غایت اور اپنی کمزوری و خامی کا برملا اعتراف موجود ہے۔ اس سلسلہ میں قارئین کو معروضہ کا مقدمہ پڑھنا چاہیے۔

۱۹۱۵ء میں جب سلسلہ منتخبات نظم اردو بارہ مضمون میں شائع کی گئی تو بڑے بڑے ادیبوں اور نقادانِ سخن نے داد مبارک باد دی۔ [۸۷] برنیؒ الہٰ آباد یونیورسٹی میں امتحان لینے جاتے تو اکبرالہٰ آبادی سے ملتے تھے۔ وہ بھی ان پر بہت مہربان تھے۔ انہی نے انھیں اپنا کلام چھپوانے پر زور دیا تھا۔ چنانچہ وہ معروضہ کے نام سے شائع کیا گیا تھا جو ہاتھوں ہاتھ نکل گیا تھا۔ [۸۸]

مشکوٰۃ الصلوات کے متعلق برنی کا بیان ہے:

> مشکوٰۃ الصلوات کے دو سو نسخے مدینہ منورہ میں تقسیم کیے گئے، حرم نبوی میں اس کا ورد شروع ہو گیا۔
>
> شیخ الدلائل جو دلائل الخیرات کی اجازت دیتے ہیں۔ حضرت ممدوح نے بھی اسے پسند فرمایا اور اجازت حاصل کی۔ حرمین شریفین میں بعض حجاج نے بیعت کے طریق پر اس ناچیز سے اس کے ورد کی اجازت حاصل کیں۔ ہر چند عرض کیا کہ اجازت عام ہے خاص ضرورت نہیں تاہم بہت اصرار ہوا تو فرمائش کی تکمیل کر دی ورنہ میری کیا حیثیت کہ اجازت دوں۔ [۸۹]

ایاز قدر خویش بشناس

حرم نبویؐ میں بعض دیوانے ہاتھ پکڑ کر مواجہ شریف میں لے جاتے اور اجازت چاہتے تو دل بے قابو ہو جاتا تھا۔ [۹۰] برنی کہتے ہیں:

> تقسیم میں بھی ایک لطیفہ ہوا۔ حضرت مولانا عبدالحیٔ کتانی المتوفی ۱۳۸۲ھ نے اپنے احباب و مریدین کے واسطے متعدد نسخے طلب فرمائے۔ ایک صحبت میں جب کہ مشکوٰۃ الصلوات کے نسخے سامنے رکھے تھے اور میں بھی موجود تھا، حسن اتفاق سے حکومت کے بعض حکام حضرت سے ملنے آ پہنچے۔ انھوں نے کتاب بھی دیکھی۔ تعریف بھی سنی۔ پھر ایک نسخہ ہدیتہً ملا تو خود بھی تعریف کی اور ۔۔۔ کو بھی ملتے تھے تو اخلاق سے ملتے تھے۔ راضی معلوم ہوتے تھے۔ جب حکومت کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو احباب کو بھی کتابیں دیں.....اس طرح تین سو نسخے مکہ معظّمہ میں تقسیم ہو گئے۔ [۹۱]

الف سلسلہ دعوت صدق:

اسرار احق: آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، ارشادات صوفیہ صافیہ کا نہایت جامع و مربوط انتخاب اور ان

کے مقابل یورپ کے جدید سائنس اور فلسفہ کی انتہائی تحقیقات کا لبِ لباب، جن سے اسلام کی حقانیت خود بخود ظاہر و نمایاں ہو جاتی ہے۔

پہلا ایڈیشن محمد مقتدی خان شروانی نے مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ سے ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء چار سو (۴۰۰) صفحات پر شائع کیا تھا۔

تسہیل الترتیل: قرأت کی ضرورت و اہمیت، اس کے اصول وطریق، اس کے نکات و اشارات خاص ترتیب سے نہایت سہل اور عام فہم پیرایہ میں بیان کیے گئے ہیں جن سے پڑھنے میں غلطی کا احتمال باقی نہیں رہتا، اصول قرأت سے واقف ہونے کے بعد تلاوت میں کچھ اور ہی لطف آتا ہے اور امرحق کا راز کھلتا ہے۔ بار دوم ۱۳۶۱ھ اور بار سوم ۱۳۶۲ھ میں شائع کی گئی تھی۔

تحفہ محمدی: یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے۔ ہر حصہ میں درود تاج باترجمہ ایک عربی سلام اور ہر حصہ میں چالیس (۴۰) نعتیں شامل ہیں۔ گویا چار حصوں میں جملہ (۱۶۰) نعتیں درج ہیں یہ نعتیں قدیم و جدید (۶۰) مشہور ومقبول شاعروں کے کلام سے انتخاب کی گئی ہیں۔ چوتھے حصے میں (۴۰) کے منجملہ (۲۴) فارسی نعتیں شامل ہیں تاج کمپنی کراچی نے اس کو بذریعہ بلاک طبع کر کے دیدہ زیب شائع کیا ہے۔

مشکوٰۃ الصلوات: صلوٰۃ وسلام، اسلامی معارف اورعربی ادب کا بہترین سرمایہ ہیں گویا ''رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی الہامی تفسیریں ہیں، ان کے مطالعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی عظمت ومحبت دل میں پیدا ہوتی ہے۔ ان کے ورد سے نسبت محمدی ﷺ کا فیضان ہوتا ہے اور دین کی نعمتوں کا دروازہ کھلتا ہے، غالبًا اب تک صلوٰۃ وسلام کا کوئی ایسا مختصر و جامع ذخیرہ شائع نہیں ہوا، اس کا تیسرا ایڈیشن تاج کمپنی لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوا تھا۔

معروضہ: معروضہ جس میں حمد، نعت، منقبت ومعرفت کی نظمیں سو سے زیادہ شامل ہیں، تاج کمپنی کراچی نے اس کا نفیس ایڈیشن آرٹ پیپر پر بذریعہ بلاک دیدہ زیب طبع کر کے مجلد شائع کیا ہے جو کافی مقبول ہوا ہے۔ مزید کلام (۴۰) نظمیں ضمیمہ، اول کے طور اسی سلسلہ میں پیش ہیں کہ دل کی پکار ہیں ع

من قاش فروشِ دل صد پارۂ خویشم

جواہر سخن کی طرح معروضہ (ضمیمہ اوّل) کے ساتھ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد سے ۱۳۶۷ھ میں شائع کی گئی تھی۔

قادیانی مذہب: بار اول ۱۳۵۲ھء۔ بار دوم شمس الاسلام پریس حیدرآباد دکن ۱۳۵۳ھ میں صفحات ۳۴۴ پر شائع کی گئی تھی۔ اس میں قادیانیوں کے عقائد و اعمال کی تفصیل خود قادیانی کتابوں سے پیش کی گئی ہے۔ یہ کتاب قادیانی تحریک کی قاموس مانی جاتی ہے۔ چنانچہ پانچواں ایڈیشن (حجم بارہ سو صفحات تقطیع کلاں) مدت سے نایاب ہے۔ چھٹا ایڈیشن اضافۂ مضامین کے ساتھ شائع ہوا۔

قادیانی قول و فعل: حصہ اول پہلا ایڈیشن نایاب ہے اور حصہ دوم ۱۹۵۸ء میں شائع کیا گیا تھا۔

صراط الحمید: جلد اول: عراق، شام، فلسطین و حجاز اور یہاں کے مقدس مقامات کے گونا گوں چشم دید

حالات، نہایت دلچسپ و مفید معلومات، سیر و سفر کی اس میں مفصل داستان مذکور ہے۔ مدینہ منطورہ اور مکہ معظّمہ کے تفصیلی مشاہدات، ایمانی احساسات، بارگاہ اقدس کے انوار و برکات، فیوض و انعامات، فریضۂ حج کے وسائل، طور طریق، ادعیہ وصلوات کا ذکر بیان ہے۔

اس سفرنامہ میں جا بجا قرآنی معارف، ایمانی نکات، وہبی واردات، ربط قلبی کے نازک اشارات جن سے ایمان تازہ ہوتا ہے دل کی عقیدت ومحبت کا مزہ ملتا ہے، عبارت کی لطافت اور معاصرین کے متعلق نادر معلومات اس پر مستزاد ہیں۔ یہ مختصراً وہ ہے جو برنیؒ نے اپنی تالیفات کے تعارف میں لکھا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سفرنامہ کے ادب میں برنیؒ کی آپ بیتی ہے۔ اس امر کا تعارف خود برنیؒ کو بھی ہے۔ چنانچہ صراط الحمید ج۱، ص۳۰۳ میں رقم طراز ہیں:

> بلا کم و کاست آپ بیتی لکھ دی اور آپ بیتی نہ لکھتا تو پھر کیا لکھتا، لکھنا لاحاصل تھا کچھ بھی نہ لکھتا۔ یہ توقع نہیں اور ممکن بھی نہیں کہ سب ناظرین ہم خیال ہوں، ہم مذاق ہوں، ہم مشرب ہوں، ہم عقیدہ ہوں، تھوڑا بہت فرق رہنا ضرور ہے، تاہم خدا کے فضل سے امید ہے کہ اپنی سرگزشت افراط وتفریط سے محفوظ ہے۔ یہی کوئی لغزش ہے تو میں سراپا تقصیر ہوں، معصوم نہیں ہوں، اتابت و مغفرت ہی اپنا سہارا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

صراط الحمید کا پہلا ایڈیشن ۱۳۴۶ھ میں اور دوسرا ایڈیشن ۱۳۵۰ھ میں مطبع برنی اعظم جاہی حیدرآباد دکن سے شائع کیا گیا تھا۔

صراط الحمید جلد دوم: برنیؒ نے اپنی تصنیفات، تالیفات اور تراجم کے تحت اس کا تعارف یوں کر دیا ہے: ۱۳۵۱ھ میں دوسری مرتبہ حج و زیارت کی سعادت حاصل ہوئی، حرمین شریفین میں حاضری نصیب ہوئی تو دوسرا سفرنامہ تحریر میں آیا جو صراط الحمید جلد دوم میں شائع ہوا۔

یہ سفرنامہ پہلے سفرنامے سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ عنوانات جدا، بیانات جدا۔ اس میں مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ کے احوال بالخصوص اور حجاز کے معاملات بالعموم تفصیل سے درج ہیں۔ ضمناً بہت سے واقعات بیان میں آ گئے ہیں جو کافی دلچسپ ہیں، ان میں بعض خاص طور سے اہم ہیں اور نامور ہیں، غرض کہ صراط الحمید جلد دوم کا بھی خاص رنگ ہے، جلد اول کے بعد جلد دوم پڑھنے سے لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ جلد دوم میں حرمین شرفین کے فوٹو بھی شامل ہیں۔

برنیؒ نے سفرنامہ دوران سفر قلمبند کیا تھا، فرماتے ہیں:

> ایک ماہ اور چنددن جو مدینہ منورہ میں حاضری رہی تو فرصت کے اوقات میں سفرنامہ لکھتا رہا اور بیشتر حصہ وہیں تحریر میں آیا۔ صرف آخری فصل جس میں واپسی کا ذکر ہے البتہ باقی رہ گئی تھی کہ وطن پہنچ کر لکھوں گا۔ توقع تھی کہ واپسی کے بعد ہی یہ سفرنامہ جلد شائع ہو جائے گا لیکن عجب اتفاق کہ سات سال گزر گئے اور طباعت کی نوبت نہ آ سکی، مسودہ یونہی پڑا رہا بلکہ ایک مرتبہ تو

شبہ ہوا کہ گم ہو گیا، بارے خدا تلاش کی تو وقت پر مل گیا۔
وجہ تاخیر یہ کہ واپسی کے بعد ہی گوناگوں مصروفیتوں کا ہجوم ہو گیا۔ یہ کام، وہ کام، علمی بھی انتظامی بھی، خانگی بھی، سرکاری بھی، پھر اسی زمانے میں قادیانیوں سے معرکے ہوئے جن کی تفصیلات ہماری کتاب قادیانی مذہب اور قادیانی قول و فعل میں درج ہیں، اپنی تو اکثر یہی حالت رہی اور رہتی ہے۔ علمی منصوبوں میں کتنے کام ابھی شروع نہ ہو سکے، کتنے کام برسوں سے ادھورے پڑے ان میں جو بہت خاص ہیں۔ ان کا اظہار و اعلان بھی قبل از وقت مناسب نہیں۔ تاہم جو کام تکمیل پا چکے خدا کا شکر ہے پچیس (۲۵) کتابیں جو شائع ہو چکی ہیں، یہ اسی کا فضل ہے۔۹۲

صراط الحمید، جلد اول میں:

دل کھلا کھیلا ، جب مچلا بول اٹھا
کہہ گزرتا ہوں پتے کی ، بے خودی کے جوش میں
ہوش میں ہوتے نہیں ، ہوتا ہوں جب میں ہوش میں

پھر بھی ضبط کی تاکید رہی، احتیاط کا اہتمام رہا۔ جلد دوم میں بھی دل کو کہیں کہیں موقع ملا۔ تاہم دماغ کا دور دورہ رہا کہ توازن لازم ہے ؎

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

گر سچ پوچھیے تو دھن بڑی چیز ہے۔ زندگی کی جان ہے۔ سب دھنوں میں دیتی دھن ؎

محمد از تو می خواہم خدارا
خدا ہم از تو خواہم مصطفیٰ را

وہی توحید توحید ہے جو رسالت کے وسیلے سے نصیب ہو، رسول اللہ کو ملے تو اللہ کو جانے۔ اللہ تو سبحان اللہ، رسول اللہؐ کی بھی کیا انوکھی شان ہے۔ صلو علیہ و سلموا تسلیما

یہ پہلی بار ۱۳۵۸ھ میں مطبع برقی اعظم جاہی حیدر آباد سے شائع کی گئی تھی۔ یہ سفرنامہ قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ برنیؒ کے عشق رسول کا اور زبان و ادب کی چاشنی سے لبریز ہے۔

برنی نامہ۔ صراط الحمید جلد اول میں چہار درویش کی سرگزشت ہیں۔ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۴۰ء تک حیدر آباد میں ۲۳ سال میں جو حالات پیش آئے تھے ان کا بیان ہے اور برنی نامہ میں اس کے بعد سے ۱۹۵۷ء تک (۱۷) کے قابل ذکر حالات و معاملات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ برنیؒ لکھتے ہیں:

میری خوش نصیبی یہ کہ حیدر آباد پہنچا، یہاں کے بزرگوں کا کیا کہنا ما شاء اللہ حقائق و معارف کے چمن کھلے ہوئے ہیں۔ البتہ ع

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

برِّ کے اس زمانہ میں جن دانشور، اہل علم و اہل قلم، صوفیہ اور عہدہ داروں سے تعلقات رہے انھیں نام بنام بتایا ہے، فرمانروائے دکن میر عثماں خاں سے موصوف کے دیرینہ مراسم تھے، کنگ کوٹھی آنا جانا ان کا معمول تھا۔[۹۳] اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۱۹۱۷ء سے ۱۹۵۷ء تک چالیس (۴۰) برس حیدرآباد میں گزارے، اس مدت میں تصنیف و تالیف اور ترجمہ کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ چنانچہ چھوٹی بڑی اردو، فارسی، عربی اور انگریزی میں چالیس کے قریب کتابیں شائع ہو چکی تھیں اور کئی منصوبے تکمیل طلب باقی تھے۔

علم المعیشت: اردو میں اکنامکس کے موضوع پر سب سے پہلی نہایت مستند و جامع کتاب ہے۔ مشکل سے مشکل معاشی اصول و مسائل کو ایسے دلچسپ سلیس پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ کتاب کے مطالعہ سے نہ صرف نئے نئے مضامین بخوبی ذہن نشین ہوتے ہیں طلبہ و استادسب اس کو شوق سے پڑھتے اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔

بسلسلہ مطبوعات ''انجمن ترقی اردو'' (دہلی) تیسرا ایڈیشن بنظر ثانی تقریباً ۸۰۰صفحات ہیں شائع کیا گیا تھا۔

اصول معاشیات: یہ کتاب نصابی ضرورت کے تحت مرتب کی گئی ہے۔ اس لیے کسی قدر دقیق اور مشکل مباحث پر مشتمل ہے۔ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے شائع کی گئی تھی۔ صفحات ۶۰۰ ہیں خوشنما جلد اور تقطیع کلاں ہے۔

معیشت الہند: ہندوستان کے گونا گوں معاشی حالات جن کا جاننا ملک کی اصلاح و ترقی کے لیے ازحد ضروری ہے کافی تحقیق اور تنقید کے بعد بہت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں بیان کیے گئے ہیں۔

اردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی جامع و مستند کتاب، دارالترجمہ جامعہ حیدرآباد سے شائع کی گئی ہے۔ ۸۵۰ صفحات تقطیع کلاں اور جلد خوشنما ہے۔ ۱۳۲۴ھ میں دوسری بار شائع کی گئی تھی۔

مقدمۃ المعاشیات: یہ مورلینڈ کی انگریزی کتاب ''انٹر وڈکشن ٹو اکنامکس'' کا سلیس و بامحاورہ اردو ترجمہ ہے جس میں معاشیات کے ابتدائی اصول و مسائل بیان کیے گئے ہیں، تقطیع کلاں ۳۰۰ صفحات ہیں۔ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے شائع کی گئی تھی۔

مقدمات یہ نام مناظر قدرت میں مذکور ہے جو فہرست دی گئی ہے۔ اس میں بھی مذکور ہے۔

(ب)

سلسلہ منتخبات نظم اردو، غزلیات کی کثرت سے عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ اردو شاعری کی ساری کائنات محض حسن و عشق اور گل و بلبل کی داستان ہے مگر تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ اردو میں ہر رنگ کی بہتر سے بہتر نظمیں موجود ہیں لیکن اب تک وہ نظروں سے اوجھل تھیں۔

موجودہ انتخاب سے حقیقت آشکارا ہوگئی کہ اردو کا دامن اس سلسلہ میں کتنا وسیع ہے۔ اردو کے تقریباً دوسو

(۲۰۰) قدیم و جدید نامور شعرا کا بہترین کلام عجیب وغریب ترتیب کے ساتھ بارہ (۱۲) جلدوں میں پیش کیا گیا ہے۔ دوسری زبانوں میں اس سلسلہ کی نظیر نہیں ملتی، بڑے بڑے ادیب اور نقادِ سخن نے داد بلکہ مبارکبادیں دی ہیں۔ یہ سلسلہ ۱۹۱۹ء سے بتدریج شائع ہوتا رہا اور ۱۹۲۴ء میں اس کی تکمیل ہوئی۔ پہلا سیٹ معارف ملت، چار جلدوں پر مشتمل ہے۔

دوسرا سیٹ جذباتِ فطرت: جلد اول اردو شاعری کے قافلہ سالار میر تقی میر، رفیع سودا کے کلام کا انتخاب ہے۔

جلد دوم- مرزا غالب، ذوق، ظفر، حسرت موہانی کے کلام کا انتخاب ہے۔

جلد سوم- تقریباً بیس قدیم و مستند اور باکمال شعراء کے کلام کا انتخاب ہے۔

جلد چہارم- تقریباً ساٹھ جدید مشہور و مقبول شعراء کے کلام کا دلکش انتخاب ہے۔

تیسرا سیٹ: مناظر قدرت: جلد اوّل متعلق اوقات، صبح و شام، دن، رات، دھوپ، چاندنی، موسم گرما، سرما، برسات اور بہار کے دلکش مناظر نظموں میں اس خوبی سے عکس فگن ہیں، ان کو دیکھ کر طبیعت وجد کرنے لگتی ہے۔ نیچر پرستوں کے لیے یہ جلد قدرت کی دل فریبیوں کا بہترین مرقع ہے۔

جلد دوم: متعلق مقامات، آسمان، زمین، پہاڑ، جنگل، میدان، دریا، کھیت، باغات، شہر اور عمارات شاعروں نے ان سب کی ایسی تصویر کھینچی ہیں کہ نظمیں پڑھتے وقت گو باہم آنکھوں سے ان کی سیر کر رہے ہیں۔

جلد سوم: متعلق نباتات و حیوانات یعنی پھول پھل، کیڑے، پتنگے، تتلیاں، پرندے، چرندے وغیرہ ان سب کے متعلق نظمیں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے شاعروں نے اشیاء قدرت کا کس حد تک مطالعہ کیا ہے اور مشاہدات میں کہاں تک جان ڈالی ہے۔

جلد چہارم: متعلق عمرانیات ہندوستان کے تمدن، رسم و رواج، عید، تہوار، شادی، میلے ٹھیلے، کھیل تماشے، بزم و رزم کے حالات دل کو بے چین کرتے ہیں۔ شعر و سخن کا یہ عجیب دلکش انتخاب ہے۔ ان تینوں سیٹ کی اشاعت پہلی بار ۱۹۱۹ء میں ہوئی تھی۔ تیسری بار محمد مقتدی جان کثیر نوانی کے زیر اہتمام اشاعت ۱۹۲۴ء میں علی گڑھ سے شائع کیے گئے تھے۔

اردو ہندی رسم الخط: رسم الخط کی بحث زبان اردو بہ تنقیح و ترتیب خاص، سال طباعت درج نہیں۔

عطیہ قادریہ: یہ تحفہ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ میں یازدہم شریف میں بلا قیمت تقسیم ہوا۔

برنیؒ کی تصانیف و تراجم کی تعداد: الیاس برنیؒ نے اپنی تصانیف و تراجم کی تعداد ''۴۰'' بیان کی ہے اور مولانا منت اللہ صاحب نے برنیؒ کی تصانیف کی تعداد ''۴۹'' بیان کی ہے۔[۹۴]

برنیؒ کی حیات میں ان کی کتابوں کے ناشر ادارے، مکتبے اور مطابع مندرجہ ذیل تھے:

۱۔ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد حیدرآباد دکن
۲۔ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن

۳۔ مکتبہ ابراہیمیہ (عابد شاہ)، حیدرآباد دکن
۴۔ اختر دکن پریس، افضل گنج، حیدرآباد دکن
۵۔ محمد الیاس، جام باغ ترپ بازار، حیدرآباد دکن
۶۔ محمد مقتدیٰ خاں شروانی، منیجر مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ
۷۔ مکتبہ جامعہ ملیہ، دہلی
۸۔ تاج کمپنی، لاہور-کراچی
۹۔ شیخ محمد اشرف، لاہور

حوالے:

۱ سنسکرت میں پہاڑی قلعہ کو ڈرن کہتے ہیں۔ برن کیا تھا؟ ایک بلند اور وسیع ٹیلے پر قلعہ تھا اس کے آثار اب بھی باقی ہیں۔ یہ قدیم سے ایک ہندو راج دھانی تھی۔ شاید دہلی سے قریب ہونے کے سبب اس کو جنگ میں کوئی خاص اہمیت حاصل ہو۔ جب کہ یہاں راجہ ڈور حکمران تھا سلطان شہاب الدین محمد غوری علیہ الرحمہ نے اس کو ۵۸۶ھ میں فتح کیا تھا۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ صراط الحمید یعنی سفرنامہ عراق، شام، فلسطین، حجاز''۔ حیدرآباد دکن: مطبع برقی اعظم جاہی، ۱۳۵۸ھ، ج ا، ص ۳۱۶۔ص ۳۱۸ (قصہ چہار درویش)، تاریخی اعتبار سے برن اور عرف عام میں بلند شہر کہلاتا ہے۔ یہ ضلع ہے، موصوف کا جدی وطن ہے اور خورجہ اس کی تحصیل ہے یہ ان کا ننھیال ہے۔
۲ محمد الیاس برنی، برنیؔ نامہ، حیدرآباد دکن: مطبع ابراہیمیہ، ۱۹۵۷ء، ص۲
۳ محمد الیاس برنی، صراط الحمید، حیدرآباد دکن: مطبع برنی اعظم جاہی، ۱۳۵۸ھ، ج اول، ص۳۳۱
۴ ایضاً ، ص۳۳۰۔۳۲۱
۵ ایضاً ، ص۳۱۸-۳۲۱
۶ ایضاً ، ص۳۳۲
۷ ایضاً ، ص۳۴۲
۸ ایضاً
۹ ایضاً ، ص۳۴۵، ۳۴۶
۱۰ ایضاً ، ص۳۲۳
۱۱ ایضاً ، ص۳۴۶
۱۲ ایضاً ، ص۳۲۳، ۳۲۴
۱۳ ایضاً ، ص۳۳۳
۱۴ ایضاً ، ص۲۰۰
۱۵ ایضاً ، ص۳۲۳-۳۲۴

۱۶ ایضاً ، ص۳۳۳
۱۷ ایضاً
۱۸ ایضاً ، ص۳۳۴
۱۹ ایضاً ، ص۳۳۴
۲۰ ایضاً
۲۱ ایضاً ، ص۳۴۵
۲۲ ایضاً ، ص۳۳۳
۲۳ محمد الیاس برنی، برنی نامہ، ص۲۹
۲۴ محمد الیاس برنی، صراط الحمید، ج اول، ص۳۴۹
۲۵ ایضاً ، ص۳۳۳، ۳۳۹
۲۶ ایضاً ، ص۳۴۷-۳۴۸
۲۷ محمد الیاس برنی، برنی نامہ، ص۲
۲۸ محمد الیاس برنی، صراط الحمید، ج اول، ص۳۰۱، ۳۲۱
۲۹ ایضاً ، ۳۴۹، ۳۵۰
۳۰ محمد الیاس برنی، برنی نامہ، ص۲۶
۳۱ ایضاً
۳۲ ایضاً ، ص۵
۳۳ ایضاً ، ص۷
۳۴ ایضاً ، ص۱۲
۳۵ ایضاً
۳۶ محمد الیاس برنی، صراط الحمید، ج اول، ص۳۰۸-۳۰۹، موصوف کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ صراط الحمید، ج اول، ص۳۰۵-۳۱۳ و تذکرۂ قادیان ہند ۔۔بسم اللہ بیگ، کراچی: میر محمد کتب خانہ، (۱۲۶۱) قرائے دکن، ص۱۷-۱۸
۳۷ محمد الیاس برنی، صراط الحمید، ج اول، ص۳۰۹، ۳۱۰
۳۸ ایضاً ، ص۱۵
۳۹ ایضاً ، ص۳۱۱-۳۱۳
۴۰ ایضاً ، ص۳۱۳-۳۱۵
۴۱ ایضاً ، ص۱۶
۴۲ ایضاً ، ص۱۳
۴۳(الف) القرآن، سورۃ الحج، آیت نمبر ۲۴

۴۳۔ محمد الیاس برنی، صراط الحمید، ج اول،ص ۱۷۹
۴۴۔ ایضاً ، ص ۱۸۰
۴۵۔ ایضاً ، ص ۱۸۱-۱۸۲
۴۶۔ ایضاً ، ص ۱۸۲-۱۸۳
۴۷۔ محمد الیاس برنی، صراط الحمید، حیدر آباد دکن: مطبع برنی اعظم جاہی، ۱۳۵۸ھ، ج دوم،ص ۲۳-۲۴
۴۸۔ ایضاً ، ص ۲۵
۴۹۔ ایضاً ، ص ۲۵-۲۶
۵۰۔ ایضاً ، ص ۱۷
۵۱۔ ایضاً ، ص ۲۱-۲۲
۵۲۔ ایضاً ، ص ۲۱-۲۲
۵۳۔ ایضاً ، ص ۴۱
۵۴۔ ایضاً ، ص ۵۹
۵۵۔ ایضاً ، ص ۸۷
۵۶۔ ایضاً ، ص ۸۵-۸۶
۵۶۔ ایضاً ، ص ۸۷
۵۷۔ ایضاً ، ص ۸۹
۵۸۔ ایضاً ، ص ۹۰
۵۹۔ ایضاً ، ص ۹۱
۶۰۔ ایضاً ، ص ۹۰
۶۱۔ ایضاً ، ص ۹۸
۶۲۔ ایضاً ، ص ۹۸-۹۹
۶۳۔ محمد الیاس برنی،صراط الحمید، ج۱،ص ۳۱۹
۶۴۔ مطبوعہ نسخہ میں عبدالرشید چھپا ہے یہ موصوف کی لغزش قلم ہے۔
۶۵۔ محمد الیاس برنی،صراط الحمید، ج۲،ص ۶۸
۶۶۔ محمد الیاس برنی،صراط الحمید، ج۱،ص ۳۰۴
۶۷۔ ایضاً ، ص ۱۸۳
۶۸۔ ایضاً ، ص ۲۵۳
۶۹۔ ایضاً ، ج۲،ص ۱۳۸
۷۰۔ ایضاً ، ج۱،ص ۱۰۳
۷۱۔ منت اللہ رحمانی، مرتب؛ مکاتیب مناظر احسن گیلانی ،مونگیر: دارالاشاعت رحمانی، ۱۹۷۳ء، ج۱،ص ۱۰۳

۷۲ محمد الیاس برنی، صراط الحمید، ج۲، ص۱۵، ۲۶، ۲۷
۷۳ محمد الیاس برنی، برنی نامہ، ص۴
۷۴ ایضاً
۷۵ ایضاً ، ص۲۵
۷۶ محمد الیاس برنی، صراط الحمید، ج۱، ص۳۴۹
۷۷ ایضاً
۷۸ مولانا عبیداللہ سندھی، در، مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں، اعظم گڑھ: مطبوعہ معارف پریس، ص۳۵
۷۹ فہرست کتب الیاس برنی، ص۱۲۔ یہ فہرست صراط الحمید، ج۲ کے آخر میں شائع کی گئی ہے۔
۸۰ پروفیسر محمد الیاس برنیؒ، علم المعیشت، ص۶۸۷
۸۱ القرآن، سورۃ الاعراف: ۳۱۔
۸۲ القرآن، سورۃ طٰہٰ: ۱۲۴، ایضاً ، ص۴
۸۳ ایضاً
۸۴ فہرست کتب الیاس برنی، ص۸
۸۵ محمد الیاس برنی، برنی نامہ، ص۲۲
۸۶ محمد الیاس برنی، صراط الحمید، ج۲، ص۱۳۲
۸۷ ایضاً ، ص۹۶
۸۸ ایضاً ، ص۱۰۳
۸۹ محمد الیاس برنی، صراط الحمید، ج۱، ص۹۶۷
۹۰ محمد الیاس برنی، صراط الحمید، ج۲، ص۹، ۱۰
۹۱ محمد الیاس برنی، برنی نامہ، ص۵
۹۲ ایضاً ، ص۲۴
۹۳ ایضاً ، ص۲۶
۹۴ مکاتیب گیلانی، ج۱، ص۱۰۴